نورالہدیٰ

سعیدہ خاتون عظیمی

نورالہدیٰ

فہرست

کچھ عرض ہے!.....4
(نعتِ رسولِ مقبول ﷺ).....9
درود شریف کے اسرار.....12
نورالہدیٰ.....14
چُھپا ہوا خزانہ.....19
اللہ کے محبوبؐ.....26
اربوں کھربوں دُنیائیں.....28
مسیحا.....30
محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ اوّل).....33
محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ دوم).....53
محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ سوم).....72
معراج النبی ﷺ.....84

وادیٔ محمدی ﷺ 90
عورت، خوشبو اور نماز 96
رسول اللہ ﷺ کا محل 103
شہد ہر مرض کی شفا 106
شفا کی روشنی 108
حضرت بی بی فاطمہؓ 111
کلمہ طیّبہ 118
نُور کی بوندیں 127

کچھ عرض ہے!

کتاب کیا ہے؟ مختلف مضامین کا اجتماع۔

اور مضمون کے اندر کئی پیرا گراف ہوتے ہیں اور ہر پیرا گراف کئی الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر لفظ کے اندر کئی حروف ہوتے ہیں۔

یعنی ایک کتاب کے اندر بے شمار حروف ہوتے ہیں اور ہر حرف اور لفظ روشنی کی ایک متعین مقدار ہے۔ گویا کہ کتاب اپنے اندر لاتعداد روشنیاں رکھتی ہے۔ ہم جب کتاب پڑھتے ہیں تو دراصل روشنی پڑھتے ہیں اور یہی روشنی مفہوم کی شکل میں ہمارے ذہن کے اندر منتقل ہوتی رہتی ہے۔

فرد کے ذہن میں الفاظ کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر کائناتی فکر کی روشنی منتقل ہو رہی ہے مگر جب فرد کا ذہن خود اپنی انفرادی سوچ میں بند ہو جاتا ہے تو اس کی روشنی پھیلنے کے بجائے خود اپنے اندر سمٹ جاتی ہے اور معنی بدل جاتے ہیں، روشنی کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔

خالق کی ہر فکر کائناتی نظام کی روشنی ہے جو براہِ راست حضور پاک حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے اس کائنات میں پھیل رہی ہے۔ بندے کا ذہن جب حقیقتِ محمدی میں جذب ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے امر سے واقف ہو جاتا ہے۔

ہر قوم کے لیے اپنے پیغمبر کا عشق اللہ تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ جب کوئی بندہ اپنے پیغمبروں سے محبت رکھتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو وہ پیغمبروں کی محبت کی وجہ سے ان کی فکر سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح پیغمبر اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں، اس عشق کا پرتو بندے کے اوپر پڑتا ہے۔ عشقِ حقیقی وحدانیت کے سمندر کی ایک موج ہے۔

یہ موج آہستہ آہستہ اسے پھر دوبارہ وحدانیت کے سمندر کی جانب دھکیلتی ہے۔ جب تک خود موج عشق نہیں بن جاتی سمندر اسے اپنی آغوش میں نہیں لیتا۔ موج میں موج ملنا ضروری ہے تاکہ دوئی کی بو نہ رہے۔ جب تک انسان اپنی ذات کی نفی نہیں کرتا وہ وحدانیت کا سراغ نہیں پا سکتا۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کے دریائے وحدانیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ عشق کی کشش دریا کی تہہ سے شے کو باہر نکال دیتی ہے اور ہر شے دریا سے بچھڑ کر دریا سے ملنے کی جستجو میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔

تب دریا کے خواص اس پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اور شے کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کی اپنی ذات کا انحصار دریا پر ہے۔ دریا سے بچھڑ کر اس کی حقیقت ایک ماہیِ بے آب سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ پانی سے دور مچھلی آخر کب تک زندہ رہ سکتی ہے۔ پس وہ اپنی نیستی سے ذاتِ حق کی ہستی کو پہچانتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام دریائے عشق کی ایک موج ہیں۔

جب تک بندہ اس موج میں اپنے آپ کو نہیں ڈبو لیتا وہ سمندر میں نہیں داخل ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے رسول نہ بھیجے ہوں۔ ہر قوم کے لیے ایک رہبر ایک ہادی آ چکا ہے جو اسے قدم قدم چلا کر اپنے رب سے قریب کرتا ہے۔ پیغمبروں کا تفکر خود ایک معجزہ ہے جس کی روشنی مبارک دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ ہزاروں اور سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اس روشنی میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ جب بھی کوئی فرد سچے دل سے اور راست نیتی کے ساتھ اس نور کی طرف راغب ہوتا ہے، اس کا رابطہ اس نور کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

تمام پیغمبروں کا دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے علوم کی روشنیوں سے لوگوں کی مردہ روحوں کو زندگی بخشنا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی ہدایتوں کو مان کر ان پر عمل کیا وہ درجات میں تمام ولیوں سے بڑھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حواری کہلائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی برات قبول کی گئی۔ اور براہِ راست پیغمبروں کے ذریعے انہیں علوم حاصل ہوئے۔ کیا یہ تمام پیغمبروں کا مشترک معجزہ نہیں ہے کہ ان کی قوم کو ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے علوم پہنچائے گئے۔

آج جب کہ دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکار بستے ہیں، ان سب کا ایک جھنڈے تلے آنا ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر روحانیت جو حقیقت ہے یہ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ روح تو ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔ بغیر روح کے کسی ذرے کے وجود کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ نسلِ انسانی اپنے اپنے پیغمبروں سے عشق کے درجے میں محبت کرے اور ان کی روح سے رابطہ قائم کرے اور ان کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرے تو سب کی منزل ایک ہی ہو جائے گی۔

کیونکہ ہر پیغمبر حق تعالیٰ کا دوست اور حبیب ہے۔ دوست کے ذریعے سے ہی دوست تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور روح کے ذریعے سے ہی روح تک رسائی ممکن ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور امر اللہ تعالیٰ کا ایک جز ہے۔ پس روحانیت کی سیڑھی کے سوا اور کوئی زینہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نہیں ہے۔

جب لوگ جسمِ حیوانی کی زندگی اور اس کی توانائی پر اپنی تمام قوتیں خرچ کر دیتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جسمِ حیوانی کی زندگی بھی روح کی حیات کے ساتھ ہے۔ کیونکہ روح کے تمام لطائف ہی انسان کی ہر ایک زندگی کا شعور ہے۔ اپنی روح سے غفلت برتنے والے خود اپنی حیات سے رشتہ توڑتے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

مادی ترقی کے اس دور میں علم کا حصول آسان کر دیا گیا ہے۔ حصولِ علم کے لیے ایک کارآمد نصاب اور ایسے مشاہداتی تجربات سامنے آ چکے ہیں جو روحانیت سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس راستے کا سراغ دکھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں غور و فکر کرنے سے باطن کے دروازے کھلتے ہیں اور شے کے حقائق سامنے آتے ہیں اور تعجب اس بات کا ہے کہ حصولِ علم کی اس قدر آسانی کے باوجود بھی دن بدن لوگوں کی اخلاقی حالت تباہ ہوتی جا رہی ہے۔

یہ اپاہج معاشرہ کوڑھی اور برص زدہ لوگوں کو جنم دے رہا ہے اور راہِ حق سے بھٹکی ہوئی روحوں کے لئے مشعلِ حق کی ضرورت ہے تاکہ دلوں کو یہ یقین آ جائے کہ حق آ چکا ہے اور باطل تو ختم ہونے کے لیے ہی ہے۔ آج کے بڑوں کو خود ذاتِ حق سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہے

تاکہ وہ اپنی اولاد کی نشوونما اور پرورش کے لئے صحت مند فضا مہیا کر سکیں ورنہ جیسے جیسے دنیا کا روحانی اقتدار دم توڑتا چلا جائے گا، مادیت کا عروج فنائیت کی طرف تنزل کرتا چلا جائے گا۔

یہاں تک کہ دنیا کی روح دم توڑ دے گی۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نیابت و خلافت کو حاصل کرنا ہے۔ جب انسان باوجود اس کے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانیاں آچکی ہیں، اپنے آپ کو کسی طرح اس ذمہ داری کے اٹھانے کا اہل ثابت نہ کر سکے تو ایسے انسانوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ وہ اندھے ہوں یا لنگڑے ہوں، ان کے ذہن ٹھیک کام کریں یا نہ کریں انہیں قدرت ان کے حال پر چھوڑ دیتی ہے۔ یہ جان لینا ضروری ہے۔

روح اللہ تعالیٰ کا ایک جز ہے۔ اور اس جز کو کبھی فنا نہیں۔ موت اور قیامت اس شعور کی ہے جو روح کے اندر کام کرتا ہے۔ اشرف المخلوقات کے اعزاز سے معزولی ہی انسانی شعور کے لئے قیامتِ عظمیٰ ہے۔ جس کا صدمہ انسان کی برداشت سے باہر ہوگا اور اس کے انسانی حواس مسلسل اس جانکنی کو برداشت کرتے کرتے معطل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قیامت ظاہری دنیا کی تباہی و بربادی سے کہیں زیادہ ہے۔

کیونکہ اس سے انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار قسمیں کھا کھا کر انسان کی توجہ اپنے کلام کی گہرائیوں میں جھانکنے کی طرف دلائی ہے کہ اس کے حقائق سے تمام نوعِ انسانی غافل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کائنات کی کسی شے کو عبث نہیں بنایا ہے یعنی کائناتِ عالم کا ہر جزاور ہر ذرہ اور ہر فرد کسی نہ کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس کام کا اہل اپنے آپ کو ثابت نہ کر سکے تو قدرت کے لئے وہ ناکارہ ہے۔

پھر قدرت کی حدود میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ قدرت اپنی حدود میں کسی قسم کی نافرمانیوں کو قبول نہیں کرتی۔ آج ہر زمانے سے زیادہ نسلِ انسانی کو اپنی بقا کے لئے اس نظامِ توحید کی ضرورت ہے۔ جس کے اصول قرآنی صفحات میں ملتے ہیں۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ کتنی روحیں

سکون کی تلاش میں بھٹکتی پھریں گی اور کتنے انسان خود انسان کی تخریب کاریوں سے گھبرا کر غاروں میں چھپتے پھریں گے۔ آج ہمارے نصاب میں روحانیت کی ضرورت ہے تاکہ پریشان ذہن ایک مرکزیت پر اکٹھے ہو جائیں۔

اسی نظامِ توحید سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تعلیمات یعنی قرآن پاک کے ذریعے نوعِ انسانی کو متعارف کرایا ہے۔ اسی نظام میں بقا ہے، امن ہے، سکون اور سرور ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان ہے۔ یہی نوعِ انسانی کی منزل ہے۔

آیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے ذریعے اور آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں غور و فکر کر کے اپنی ذات کو اور نوعِ انسانی کو توحید کی روشنی سے متعارف کرا سکیں۔ (آمین)

دعا گو دعاجو:

میاں مشتاق احمد عظیمیؒ

روحانی فرزند

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

(نعتِ رسولِ مقبول ﷺ)

بعنوان: تخلیقِ کائنات

اک دن بیٹھے ہوئے خالق کو آیا یہ خیال

یوں اکیلے زندگی کی راہ چلنا ہے محال

کوئی دم ساز اب سوزِ جگر کا چاہیے!

کوئی تو دل داران نظروں میں لینا چاہیے

یوں خیالِ یار کی تصویر آنکھوں میں بسی

عشق کی رنگینیوں میں دل کے کعبے میں سجی

رنگ سے عشقِ حقیقی کے ہوا پیدا وہ نُور

کن کہا تو ہو گیا حُسنِ مجسم کا ظہور

تاب نظروں کی نہ لا کر گر پڑا سجدے میں وہ

نام اُس کا ہے محمدؐ، نورِ اوّل حق کا جو

ایک مدت دل کی ٹھنڈک سے ہوئے رازو نیاز

حُسن میں اور عشق میں باقی رہا نہ امتیاز

رحمتِ حق جوش میں آئی کہ اے محبوبؐ تُو

بارگاہِ ایزدی میں ہر طرح مقبول تُو

میرے باطن کے خزانے وقف تیرے واسطے

جو کروں تخلیق سب کچھ ہے تیرے واسطے

میں بناؤں گا ترے ہی نُور سے اک کائنات

رنگ جس میں تیرے ہوں گے پر تجھے ہو گی نہ مات

کوئی ہو گا حُسن میں کامل نہ تجھ سا اے شفیعؐ

تُو ہی محبوبؐ میرا باقی سب تیرے رفیع

بادشاہت تیری ہو گی کائناتِ ارض پر

تیرے ہی ڈنکے بجیں گے آسماں کے فرش پر

نُورِ اوّل پر ہوئی تخلیق پھر کل کائنات

عالمِ ارواح میں حق نے کیا سب سے خطاب

میں تمہارا رب ہوں تم مخلوق ہو میری سبھی

دیکھ لو پہچان لو بھولو نہ تم مجھ کو کبھی

دیکھی جب تیری تجلی جھک گئے سجدے میں سب

یک زباں ہو کر کیا اقرار تُو ہے میرا رب

سُن کے خالق نے کہا کیسے کروں میں اعتبار

سوچ لو اچھی طرح دیتا ہوں تم کو اختیار

ہو گا دُنیا میں جدا رہ کر گزارہ چند دن

لوٹ کر آنا ہے تم کو میرے پاس ایک دن

یوں بسی دنیا بنی آدم سے رونق ہو گئی

ہوش میں آجان لے پھندے میں گردن ہو گئی

(سیدہ سعیدہ خاتون عظیمیؔ)

درود شریف کے اسرار

مغرب کی نماز کے دوران اچانک یہ بات ذہن میں آئی کہ درود شریف کے اسرار کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں۔ ''اے مسلمانو حضور پاک ﷺ پر درود اور سلام بھیجو۔ فرشتے بھی حضور پاکؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود بھی حضورؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں۔'' ذہن میں آیا کہ جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لازم قرار فرمایا ہے یقیناً اس کی کوئی بہت ہی خاص وجوہات ہوں گی۔ انہی خیالات کے ساتھ میں مغرب کی نماز ختم کر کے روٹی پکانے میں مشغول ہو گئی۔

ذہن مسلسل اسی نکتے پر اٹکا رہا۔ پہلے خیال آیا کہ حضور پاکؐ پر اللہ تعالیٰ کے اور مخلوق کے درود شریف بھیجنے سے حضور پاکؐ کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر اگلے ہی لمحے ذہن نے اس خیال کو رد کر دیا کہ حضور پاکؐ کی عزت میں اضافے یا کمی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ آپؐ تو اللہ تعالیٰ کا نورِ اوّل ہیں۔ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ آپؐ کے درجات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہیں۔

جو درجات اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ کسی کے درود شریف پڑھنے نہ پڑھنے سے آپؐ کی عزت و توقیر اور درجات میں کیا فرق آ سکتا ہے۔ آپؐ تو محبوبِ خدا ہیں اور محبوب کے لئے عاشق کا دل و جان حاضر ہے۔ پھر خیال آیا کہ درود شریف بھیجنے سے حضور پاکؐ کے درجات کا مخلوق کی نظر میں اندازہ کرانا مقصود ہے۔

جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ کا تصور انسان کے ذہن میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر ہستی اور خالق کی حیثیت سے ہے تو انسان کی طرزِ فکر میں یہ آتا ہے کہ جس ہستی پر اللہ تعالیٰ خود درود بھیج رہا ہے اس کا درجہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے افضل ہو گا۔اس طرح درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کا منشاء مخلوق کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ حضور پاکؐ ہی تمام مخلوقات میں سب سے افضل ترین ہستی ہیں۔

اس خیال پر میرا دل کچھ مطمئن ہو گیا۔ میں نے روٹی پکاتے پکاتے درود شریف پڑھا۔اسی لمحے دیکھا کہ سامنے حضور پاکؐ ایستادہ ہیں۔آپؐ کے پر نور چہرے پر مسکراہٹوں کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ایک لمحے کے لیے میں دم بخود رہ گئی۔ میرا ہاتھ، میرا ذہن سب کچھ رک گیا۔آٹے کا پیڑا ہاتھ سے نیچے رکھ کر میں نے نہایت ادب سے ہاتھ باندھ لیے اور سر کو جھکا دیا۔ حضور پاکؐ نے مسکرا کر فرمایا۔''بیٹی ہم تمہارے اس خیال سے بہت خوش ہیں۔''آپؐ کی زبان سے یہ کلمات سن کر میرے شعور میں آہستہ آہستہ حرکت پیدا ہوئی اور میں نے اپنے حواس کو مجتمع کر کے عرض کیا۔

''یارسول اللہؐ۔ میرے لیے دعا فرمایئے۔''آپؐ نے فرمایا۔''بیٹی ہماری دعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔''اتنا فرمانے کے بعد آپؐ میری نگاہ سے روپوش ہو گئے۔ میں نے درود شریف پڑھا۔اسی لمحے دیکھا کہ درود شریف کی روشنی نور کی ایک دھار کی شکل میں نہایت تیزی سے سفر کرتی ہوئی حضور پاکؐ تک پہنچ گئی۔ حضور پاکؐ اس روشنی کو دیکھ کر میری جانب متوجہ ہو گئے۔

اس مشاہدے کے ساتھ ہی میرے ذہن میں نہایت تیزی سے خیالات آنے لگے۔ جیسے کوئی غیبی آواز بول رہی ہو کہ درود شریف کے اسرار یہی نور کی دھار ہے۔نور کی یہ لہر ایک خاص تناسب رکھتی ہے۔جب درود پڑھا جاتا ہے تو نور کی یہ لہر فوری سفر کرتی ہوئی حضور پاکؐ تک پہنچ جاتی ہے۔اس طرح حضور پاکؐ پڑھنے والے کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس کے دلی مقاصد جان کر اس کی دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ جس کو عام طور پر لوگ درود شریف کی برکت کہتے ہیں۔یعنی برکت لہروں یا نور کی شعاعوں کی فریکوئنسی کا نام ہے۔درود شریف روشنی کی وہ لہریا لائن ہے جس کا کنکشن حضور پاک ﷺ سے ملتا ہے۔

نورالہدیٰ

ایک رات دو بجے آنکھ کھل گئی۔ بستر پر لیٹے ہوئے دماغ میں یہ لفظ گونجنے لگا۔

''نورالہدیٰ۔ نورالہدیٰ۔''

ساتھ ہی حضور قلندر باباولیاءؒ کی تصویر ذہن میں آ گئی۔ ذہن متواتر یہ لفظ دہراتا رہا۔ اب میرا بستر پر لیٹنا مشکل ہو گیا۔ میں جلدی سے اُٹھ کر نیچے آ گئی۔ ساتھ ہی لکھائی کا سامان بھی لے آئی۔ کیونکہ مجھے برابر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میرا ذہن الفاظ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کمرہ ٹھنڈا تھا۔ سب سے پہلے میں نے ہیٹر جلایا۔ پھر چائے بنائی۔ جسمانی حرکات کے پردے میں ایک آنکھ مسلسل صرف ''نورالہدیٰ'' کے نور پر ٹکی ہوئی تھی۔ گرم گرم چائے نے اندر کی نظر کو بھی گرما دیا۔

میں نے قلم اُٹھالیا۔ اندر کی شفاف روشنی میں حضور قلندر باباولیاءؒ کھڑے نظر آئے۔ ان کی نگاہ مجھ پر لگی ہوئی تھی۔ میری نگاہ نے ان کی نظر کے پیغام کو معنی پہنائے۔ ''تم وہ لکھو جو تم دیکھ رہی ہو۔'' میرے اندر کی آنکھ بغیر جھپکے بڑی ہی یکسوئی کے ساتھ نور میں دیکھ رہی تھی۔ میرا دل، دماغ اور جسم تینوں ہی مستعد ہو گئے۔

ذہن کے بیک گراؤنڈ میں نورالہدیٰ کی تکرار نہایت خاموشی سے جاری تھی۔ جیسے روشنی کے سمندر پر نورالہدیٰ کے حروف بہہ رہے ہیں۔ روشنی کے سمندر میں بڑا سکوت تھا۔ کوئی لہر دکھائی نہ دی۔ مگر حدِ نگاہ سے نورالہدیٰ کے حروف چمکیلے اور روشن صورت میں سمندر پر بہتے دکھائی دیئے۔ یکے بعد دیگرے یہ الفاظ لہروں کی طرح اس سمندر میں بہتے دکھائی دیئے۔ سمندر نہایت ہی وسیع تھا۔ ذہن میں سمندر کی وسعت کا خیال آیا۔ نظر دور حدِ نگاہ میں پھیلنے لگی۔ جیسے جیسے نظر پھیلتی جاتی، سمندر کی سطح پر اسی طرح نورالہدیٰ کے حروف بہتے دکھائی دیتے۔

کوئی تبدیلی نہ تھی۔ نظر گہرائی میں چلتے چلتے جیسے تھک گئی۔ وہ سمندر کی وسعت تلاش کرنا چاہتی تھی۔ مگر سمندر کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ تو نظر اپنی حدِ نگاہ پر ٹھہر گئی۔ حدِ نگاہ پر ایک حرف دکھائی دیا، لا محدودیت۔ نگاہ نے اس لفظ کو غور سے دیکھا۔ عقل میں آیا لا محدودیت حدِ نگاہ ہے۔ فکر کے سمندر میں نگاہ کی روشنی جس مقام پر جا کر گم ہو جاتی ہے وہ مقام لا محدودیت ہے۔ لا محدودیت کا تعین خود فرد کی اپنی وسعتِ نظر میں ہے۔ فکر کے سمندر میں کوئی جس مقام پر ڈوب گیا وہی اس کے لئے لا محدودیت کی حدِ فاصل ہو گئی۔

میرے اندر کا عزم مسکرایا۔ نظر کی روشنی سے کہنے لگا۔

''تم تو مسافر ہو۔ مسافر کا کام سفر کرنا ہے، ٹھہرنا نہیں۔''

اب پھر نگاہ نورالہدیٰ کے الفاظ پر ٹھہر گئی۔ ذہن کی گہرائی میں فکر نے اُبھر کر کہا ''نورالہدیٰ حضور پاک ﷺ کا نور ہے۔'' اس کے ساتھ ہی نظر نے دیکھا کہ سمندر کی وسیع و عریض سطح پر وہاں سے یہاں تک لاشمار نورالہدیٰ کے حروف بہتے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ دیر نظر نہایت یکسوئی کے ساتھ دیکھتی رہی۔ پھر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی آواز سنائی دی۔ روشنی کا یہ سمندر فکرِ محمدیؐ ہے۔ فکرِ محمدیؐ کی حرکت اللہ تعالیٰ کے ارادے پر ہے۔ سمندر کی روشنی کا ہر نقطہ فکرِ محمدیؐ کا ایک عالم ہے۔

نور کے یہ نقطے کائنات کے ذرے ذرے کو سیراب کر رہے ہیں۔ کائنات کے ہر ذرے میں یہ نور جذب ہو کر فرد کا شعور اور ذہن بن جاتا ہے۔ ہر نقطہ الفاظ و معنی کی ایک کتاب ہے۔ ذرے کی نگاہ اسی کتاب کو پڑھتی ہے۔ میں نے قلندر باباؒ سے پوچھا: ''فرد کیا ہے؟'' فرمایا: ''فکر کے نقطے کا لا محدودیت سے محدودیت میں ظاہر ہونا فرد ہے۔ سمندر لاشمار قطروں کا مجموعہ ہے۔ سمندر کے اندر ہر قطرے کی فکر اجتماعی ہے۔ ہر قطرہ اپنی ذات میں سمندر ہے۔ سمندر کے اندر قطرے کی انفرادی سوچ و فکر کا وجود نہیں ہے۔ سمندر کا ہر قطرہ یا روشنی کا ہر ذرہ کائنات کا ایک فرد ہے۔ سمندر کی روشنی ذرے میں جذب ہو کر ذرے کو روشن کر دیتی ہے۔ ذرے کی روشنی کا مظاہرہ افراد ہیں۔ انفرادیت محدودیت ہے۔ اجتماعیت لا محدودیت ہے۔''

میں نے کہا۔ ''فرد میں اجتماعیت کا تصور کیا ہے؟''

فرمایا۔ ''روشنی کا ہر نقطہ فکرِ محمدیؐ ہے۔ انفرادی فکر کی اجتماعی فکر کے ساتھ وابستگی اجتماعیت کا تصور ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''فکر اور معنی کیا ہیں؟''

فرمایا۔ ''فکر خالق کا ارادہ اور امر ہے۔ معنی فکر کی تشکیلی صورت ہے۔ یہ تشکیلی صورت روح ہے۔ جو فرد کے پردے میں کام کرتی ہے۔ ہر حرف اور ہر لفظ روشنی کی متعین مقدار ہے۔ فرد کے ذہن میں الفاظ کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر کائناتی فکر کی روشنی منتقل ہو رہی ہے۔ مگر جب فرد کا ذہن خود اپنی انفرادی سوچ میں بند ہو جاتا ہے تو اس کی روشنی پھیلنے کے بجائے خود اپنے اندر سمٹ جاتی ہے اور معنی بدل جاتے ہیں، روشنی کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ خالق کی ہر فکر کائناتی نظام کی روشنی ہے۔ جو براہِ راست حضور پاکؐ کے ذریعے سے اس کائنات میں پھیل رہی ہے۔ بندے کا ذہن جب حقیقتِ محمدیؐ میں جذب ہو جاتا ہے یعنی اس کے ذہن میں آنے والی روشنیوں کو وہ پوری طرح جذب کر لیتا ہے تو وہ کائناتی ارادے سے یا اللہ کے امر سے واقف ہو جاتا ہے۔ پھر فرد کا ذہن روشنی کا نقطہ بن جاتا ہے اور فکر کی روشنی اس نقطے سے خارج ہونے لگتی ہے۔ اس طرح فرد کا ارادہ اجتماعی ارادے سے منسلک ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ارادے کے مطابق کام کرتا ہے۔ فرد ایک قندیل کی مانند ہے۔ قندیل کا شیشہ فرد کا جسم ہے۔ قندیل کی بتّی آنکھ ہے۔ تیل ادراک ہے۔ روشنی فکر ہے۔ فکر کی روشنی ادراک کو متحرک کرتی ہے۔ ادراک سے گزر کر روشنی بتّی میں پہنچتی ہے۔ ادراک کا تیل بتّی کو بھگو دیتا ہے۔ بتّی آنکھ یا حواس ہے۔ یہ حواس قندیل کے اندر باہر دونوں جگہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ مظاہرہ قندیل کا روشن ہونا ہے۔ قندیل کا شیشہ جتنا زیادہ شفاف ہو گا اتنی ہی روشنی زیادہ پھیلے گی۔ شفاف قندیل کی ہر روشنی خالق کے ارادے کا مظاہرہ ہے۔''

میری توجہ پھر دوبارہ حقیقتِ محمدیؐ کی جانب لگ گئی۔ ہر سمت تجلیات و انوار کا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ سوائے سمندر کے کچھ نہ تھا۔ اس سمندر کے اوپر حدِ نگاہ سے الفاظ بہتے چلے آ رہے تھے۔ میری نظر نے پھر وہی منظر دیکھا کہ نور الہدیٰ کے حروف حدِ نگاہ سے بہتے چلے آ رہے ہیں اور

سمندر بالکل ساکت ہے۔اس میں لہریں دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر نورالہدیٰ کے لفظ کو دیکھ کر لہروں کا احساس ہوتا ہے کہ یہ نہایت تیزی سے بہہ رہے تھے۔اس عالم میں قلندر باباولیاءؒ کے انوار نظر آئے۔ میں نے سوچا کہ اب قلندر باباولیاءؒ میرے قریب آئیں گے تو ان سے سوال پوچھوں گی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔ ''حقیقتِ محمدیؐ کیا ہے؟''

فرمایا: ''تجلی ذات کا شعور ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''شعور کیا ہے؟''

فرمایا۔ ''شعور آنکھ یا نظر ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''فکر کیا ہے؟''

فرمایا: ''فکر لمحۂ ادراک ہے۔ تجلی ذات کا سمندر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ایک خزانہ ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ کی نگاہ اس سمندر کو دیکھ رہی ہے۔ دیکھنے کا عمل تجلی ذات کی تجلی کا حقیقتِ محمدیؐ کی آنکھ سے ٹکرانے سے ہوتا ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ کائنات کی روح اعظم ہے۔ روح اعظم کی نگاہ تجلی ذات کو دیکھ رہی ہے۔ روح اعظم کی نگاہ یا آنکھ ایک پردہ یا لینس ہے۔اس پردے سے تجلیات فلیش کی صورت میں ٹکراتی ہیں۔ تجلیات کے ٹکرانے سے فلیش ہوتا ہے اور پھر یہ ٹکراؤ روح اعظم کے شعور کو متحرک کرتا ہے۔ روح اعظم کے شعور کی یہ حرکت تجلی کے فلیش کو معنی پہناتی ہے۔ یہ معنی پہنانے والی ایجنسی فکرِ وجدانی ہے جو فلیش کی رفتار پر کام کرتی ہے۔اس سمندر پر بہنے والے حروف جو تم دیکھ رہی ہو یہ فکرِ وجدانی کی ایجنسی سے گزر کر نظر کے سامنے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ حقیقتِ محمدیؐ کا کمال ہے۔ فکرِ وجدانی تجلی کے ادراک کو معنی میں تبدیل کرنے والی ایجنسی ہے۔ ہر معنی اللہ تعالیٰ کے علوم کا ایک عالم ہے۔''

میں نے پوچھا: ''خلق کیا ہے؟''

فرمایا۔ ''فکر کے سمندر میں ادراک کی لہریں ہیں۔ روح اعظم کی نگاہ تجلی کو ادراک کی صورت میں دیکھتی ہے۔ نگاہ کا قانون ہے کہ وہ دیکھی جانے والی چیز کو کسی نہ کسی صورت میں دیکھتی ہے۔ ادراک کی صورت تجلی کے روح اعظم کی آنکھ سے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ روح اعظم ایک پردہ ہے۔ اس پردے سے اللہ کی نظر یا بینائی دیکھتی ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''ادراک کی پہلی صورت کیا ہے جو روح اعظم یا حقیقتِ محمدیؐ نے دیکھی؟''

فرمایا۔ ''اللہ کی تجلی۔ پھر اسمائے الٰہیہ!''

میں نے کہا۔ ''مگر روح اعظم کے ادراک میں تو ساری کائنات ہے۔'' پھر قلندر باباولیاءؒ کی مسکراہٹ پھیلتی ہوئی نظر آئی۔

فرمایا۔ ''ہاں روح اعظم میں تو ساری کائنات کا ادراک ہے۔''

میں نے سمندر کی جانب دیکھا، سمندر میں ان گنت لہروں پر مرشد کریم کے رنگین جلوے رقصاں تھے۔

چُھپا ہوا خزانہ

زمانۂ ازل میں جب کہ نہ زمین تھی نہ آسمان تھے۔ نہ شجر تھے نہ پہاڑ تھے۔ بس مرتبۂ خالقیت پر اللہ جل شانہٗ، وحدانیت کے عرش پر جلوہ افروز تھے۔ کون جانتا ہے روحِ محمدی ﷺ نے عرش کے گرد کتنے طواف کئے۔ لازمانیت اور لامکانیت کی تحریریں صفتِ تدلّیٰ میں ہیں۔ عرش کے ہر اطراف پر خالق کا ذہن روحِ محمدی ﷺ کو منتقل ہوا۔ تاکہ روحِ محمدی ﷺ کے اندر چھپے ہوئے خزانوں سے نفسِ محمدی ﷺ واقف ہو جائے۔ نفسِ محمدی ﷺ اپنی ذات کے اندر تہہ در تہہ نور سے واقف ہو گیا۔

نگاہِ احمدی ﷺ نے جب اپنے نور میں دیکھا تو نور کے ہر ذرے پر اسے اللہ کا نام دکھائی دیا۔ نگاہ نے اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب کو پہچان لیا۔ ذاتِ محمدی ﷺ نورِ حق کا آئینہ بن گئی۔ آئینے کے بالمقابل نگاہ آئینے کے عکس کو دیکھتی ہے آئینے کو نہیں۔ نگاہِ محمدی ﷺ نے اپنے نفس کی نفی کر کے بندگی کی معراج کو پالیا۔

ادراک کا ہر نقطہ لازمانیت کی کوئی نہ کوئی کسر ہے۔ جس میں ازل کا وہ لمحہ بند ہے۔ جس لمحے میں اللہ اور روح کا ساتھ تھا۔ ساری کائنات ایک نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''ہم نے نفسِ واحدہ سے تم کو بنایا۔'' حدیثِ قدسی ہے کہ ''اے محمد ﷺ آپ ﷺ نہ ہوتے تو کائنات کا وجود نہ ہوتا۔'' کائنات کی ہر صورت روحِ محمدی ﷺ کا ایک ادراک ہے۔ جو لامحدودیت سے محدودیت میں آ کر اپنی پہچان کراتا ہے۔ کائنات کی تمام حرکات اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں۔

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ''مراد'' ہے۔ نفسِ محمدی ﷺ ''مرید'' ہے۔ مراد کا تفکر اللہ کا تفکر ہے۔ جس کی تکمیل مرید کے ذریعے سے ہے۔ یہ بات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث مبارک کی تشریح ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری تربیت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔''

کائنات کی تخلیق کے پسِ پردہ اللہ تعالیٰ کا خود اپنی ذات کو پہچانے جانے کا تفکر کام کر رہا ہے۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظاہرہ ہے۔ جو کائنات کے نقطۂ وحدانی کی صفات ہیں۔ کائنات کے نقطۂ وحدانی کا شعور حقیقتِ محمدی ﷺ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا ہے۔ نقطۂ وحدانی کا یہ شعور کائنات کے ذرے ذرے میں کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر شے کو جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ ہر شئے کے اندر پہچانے جانے کا تفکر ہی شئے کو دو رخوں میں تقسیم کرتا ہے۔ کیونکہ ایک رخ سے تفکر کی تکمیل نہیں ہوتی۔ تفکر کا ایک رخ وہ کردار ہے جو پہچانا جا رہا ہے۔ تفکر کا دوسرا رخ پہلے رخ کو پہچاننے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ نقطۂ وحدانی یا حقیقتِ محمدی ﷺ کا دماغ عالمِ امر ہے اور عالمِ امر کا تفکر انہی دو بنیادی حقیقتوں پر کام کر رہا ہے۔ نقطۂ وحدانی یا کائنات کا نقطہ اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔

تجلی کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں علیم ہے۔ انسانی روح جو امرِ ربّی ہے اسے صفتِ علیم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہے۔ اسی نسبت کے تحت آدم کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا کئے گئے۔ اسمائے الٰہیہ کے علوم کا نقش حقیقتِ محمدی ﷺ ہے۔ یہ نقش تجلی ذات کے باطن میں ہے۔ مہرِ نبوت ﷺ اسی نقش کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چھپے ہوئے خزانے کا ذکر فرمایا ہے وہ خزانہ تجلی ذات کے باطن میں حقیقتِ محمدی ﷺ کا نقش ہے۔

اللہ پاک کی نظر تجلی کے ظاہر باطن کا احاطہ کرتی ہے اور وہ اپنی ذات و صفات میں علیم ہے۔ اس کا علم قدیم ہے اور حادث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تجلی کے باطن میں حقیقتِ محمدی ﷺ کا نقش ہمیشہ سے تھا، ہے اور رہے گا۔ مگر اس حقیقت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہ تھا۔ کسی اور سے مراد خود حقیقتِ محمدی ﷺ کا نقش ہے۔

جب اللہ پاک نے چاہا کہ حقیقتِ محمدی ﷺ خود اپنی ذات سے واقف ہو جائے کہ وہ تجلی کا جمال ہے۔ جیسے ہیرے کی چمک ہیرے کا جمال ہے تو اللہ تعالیٰ نے حقیقتِ محمدی ﷺ کے اس نقش میں اپنی روح پھونکی۔ روح تجلی کے نقش حقیقتِ محمدی ﷺ کا شعور ہے۔ حقیقتِ محمدی ﷺ کا شعور تجلی ذات کا شعور ہے۔ جو حقیقتِ الٰہیہ کو ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔

حقیقتِ محمدی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو ساڑھے گیارہ ہزار صفات کے ساتھ پہچانا۔ تمام پیغمبران علیہم السلام حقیقتِ محمدی ﷺ کے مختلف زاویے ہیں۔ اس بات کو آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی ﷺ وہ نظر ہے جس نظر نے اللہ تعالیٰ کو ساڑھے گیارہ ہزار صفات کے ساتھ دیکھا۔ باقی تمام پیغمبران علیہم السلام حقیقتِ محمدی ﷺ کی نظر کے مختلف زاویے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبران علیہم السلام براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسمائے الٰہیہ کے علوم حقیقتِ محمدی ﷺ میں روح پھونکنے کے علوم ہیں۔ جس کا آغاز زمانۂ ازل سے ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کی ''الٓمٓ'' کے حروف سے نشاندہی کی گئی ہے اور اس کی وضاحت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے کلمے سے کی گئی ہے۔ ''لا'' کے انوار وہ حقیقت ہیں جو چھپا ہوا خزانہ تھا۔ جس سے اللہ ہمیشہ سے واقف تھا۔ مگر یہ حقیقت ناقابلِ تذکرہ تھی یعنی اس کا ذکر نہ تھا۔

اسے ہم اندھیرے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ اندھیرا یعنی لا کے انوار کائنات کا لاشعور ہے۔ لا کے انوار تجلی ذات ہے۔ ان انوار میں تجلی کا جمال وہ حقیقت ہے جس کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا گیا اور لا کے انوار اِلّا میں بدل گئے۔ اِلّا کے انوار الف انوار ہیں جو کائنات کی بنیاد ہیں اور یہی انوار کائنات کا ازلی شعور ہے۔ اِلّا یا الف انوار کو ہم اجالے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لا اور اِلّا کے درمیان حقیقتِ محمدی ﷺ کا ظہور ہے۔ جو حقیقتِ الٰہیہ کو ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ وہ ذاتِ اقدس ہے جو اللہ تعالیٰ کی ساڑھے گیارہ ہزار صفات کا مجموعہ ہے۔ ہر صفت تخلیقی صلاحیت ہے۔ روح ان تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کرتی ہے اور کائنات وجود میں آتی ہے۔

لاانوار کااِلّا میں تبدیل ہونا بغیر کسی وسائل واسباب کے ہے۔لامحدودیت میں اللہ تعالیٰ کاارادہ داخل ہو کر لامحدودیت میں پھیلی ہوئی تجلیات کو تشکیلی صورت بخشتا ہے۔یہ تشکیلی صورتیں اسمائے الٰہیہ ہیں۔جن کی روشنیوں کے مجموعے کی صورت روحِ محمدی ﷺ ہے۔زمانۂ ازل کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے چھپے ہوئے خزانے کو ظاہر کرنے کاارادہ کیا۔اللہ تعالیٰ کے ارادے سے اس فکر کی روشنی کو کن کی تحریکی قوت حاصل ہوئی اور فکر کے اجزاءاسمائے الٰہیہ کی صورت میں کائنات کے اجزاء بن کر ظاہر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے امر نے کائنات کی تخلیقی فکر کوایک مجموعی صورت بخش دی۔تجلی ذات کا یہ نقش روحِ اعظم یاحقیقتِ محمدی ﷺ ہے۔اللہ تعالیٰ ذات وصفات، شکل وصورت اور نقش ونگار سے پاک ہے۔تجلی ذات کا شعور روحِ اعظم کاازلی شعور ہے۔اس ازلی شعور کی ظاہری صورت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔روحِ اعظم کا شعور اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔اللہ تعالیٰ کا امر اس کاارادہ ہے۔ارادہ تخلیقی قوت وصفت کا حامل ہے۔کائنات کے علم کی تجلیات وانوار روحِ اعظم کے باطن سے گزر کر لوحِ محفوظ کی زینت بنتے ہیں اور لوحِ محفوظ سے نیچے اتر کر تمام عالمین سے گزرتے ہوئے زمین پر اپنا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مظاہرِ کائنات کی بنیاد روحِ اعظم کاازلی شعور ہے۔جواللہ تعالیٰ کی خود اپنی ذات میں پہچانے جانے کی فکر کی تکمیل کے لیے اور حکمِ خداوندی کی تعمیل کے لیے کائنات کے ذرے ذرے میں رحمت بن کر دور کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی نسبت سے انسانوں کو روحِ اعظم کے علوم عطا کئے ہیں۔

جب کسی بندے کے اندر ازلی شعور متحرک ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مقصدِ حیات سے باخبر ہو جاتا ہے اور اپنی سکت کے مطابق حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔یہ پہچان بحیثیت جز کے ہے۔بحیثیت کل کے نہیں ہے۔حقیقت اللہ ہے اور اللہ لامحدود ہے۔لامحدودیت کا احاطہ کوئی آنکھ نہیں کر سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ بندے کا حقیقت کو پہچاننا خود اپنے زاویۂ نگاہ و فکر کے احاطے میں حقیقت کا اعتراف ہے۔ حقیقت کو دیکھنے والی نگاہ روحِ اعظم کی آنکھ ہے۔ اس نگاہ کی انتہائی سکت مقامِ محمود ہے۔ مقامِ محمود پر حضور پاک ﷺ نے پہنچ کر جس طرح اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو دیکھا، اس کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ روحِ اعظم کی آنکھ اللہ تعالیٰ کو تجلی ذات کے حجاب میں دیکھتی ہے۔ تجلی ذات کے حجاب میں ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنا ازلی شعور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

اس مقام پر فکر کے اندر سے کائناتی Dimension نکل جاتے ہیں۔ جب کائناتی Dimension ذہن سے نکل جاتے ہیں تو تجلی سامنے آتی ہے۔ اسی فعل کو اپنی نفی کرنا کہا گیا ہے۔ اپنی نفی کرنا ساری کائنات کی نفی کرنا ہے۔ روحِ اعظم کا ذہن وہ ہے جس کا تعلق براہِ راست ذات سے ہے۔ روحِ اعظم کی نظر ہر شئے کو تجلی ذات میں دیکھتی ہے۔ تجلی ذات میں کائنات تجلی کے نقطے کی صورت ہے۔

پس روحِ اعظم کی آنکھ صرف تجلی ذات دیکھتی ہے۔ کائنات کی اشیاء کو نہیں دیکھتی۔ جیسے سورج کی روشنی میں سارا آسمان چاند ستاروں سے خالی دکھائی دیتا ہے پس ہم سورج کی روشنی میں چاند ستاروں کی نفی کر دیتے ہیں کہ چاند ستارے ہیں ہی نہیں۔ روحِ اعظم خود تجلی ذات کی تشکیلی صورت ہے۔

جب کسی بندے میں روحِ اعظم کا شعور بیدار ہوتا ہے تو وہ خود اپنے ہی نقطۂ ذات کی تجلی کے نور کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے ذہن سے کائناتی ڈائی مینشن نکل جاتے ہیں۔ اس نور میں ذات کا تفکر ذاتِ خالق کی حیثیت سے ہے یعنی اللہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لمحے انسان کا شعور مکمل طور پر تجلی کے نور سے سیراب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فکر میں ایمان یا یقین کا دوسرا رخ نہیں ہے۔

یعنی کفر نہیں ہے۔ کیونکہ روحِ اعظم کی ہر فکر تجلی کا نقطہ ہے جو یقین ہے۔ کفر وہ فکر ہے جو تجلی کی روشنی سے خالی ہے۔ ان خلاؤں کا گزرا گر حقیقتِ محمدی ﷺ کے اندر نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔ کیونکہ خود حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری صورت میں شیطان نہیں آسکتا۔

روحِ اعظم کی فکر کی روشنی میں جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تجلی شامل ہو جاتی ہے تو روحِ اعظم کی تجلی کا دوسرا دائرہ تخلیق ہوتا ہے۔ یہ دوسرا دائرہ روحِ انسانی ہے۔

جس میں انسان کی نظر کائنات کی ہر شئے کو روح کی صورت میں دیکھتی ہے اور جب روحیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حرکت کرتی ہیں تو نگاہ کا تیسرا دائرہ تخلیق ہوتا ہے جو روحِ حیوانی کا دائرہ ہے۔ حرکت انرجی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ انرجی روحِ اعظم کی تجلی کی روشنی سے روحِ حیوانی کو حاصل ہوتی ہے۔ روحِ اعظم کی تجلی اجسام کے اندر منفی طور پر کام کرتی ہے۔ اگر انسان اپنے اندر کام کرنے والے نور سے واقف نہ ہو اور صرف جسمانی حرکات کو ہی زندگی کا حاصل سمجھ لے تو روحِ حیوانی کی تمام تر توجہ صرف دنیاوی زندگی کی حرکات کی طرف ہو جاتی ہے اور آدمی دنیا میں مگن ہو جاتا ہے۔

ایسی حالت میں روح کی نظر جب اپنے جسم پر پڑتی ہے تو روحِ حیوانی کی فکر کے اندر نور کی بجائے دنیاوی روشنیوں کا ذخیرہ دیکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی کا شعور اسے منفی افکار کے معنی پہناتا ہے۔ کفر، جھوٹ، نیگیٹو خیالات سب کے سب اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آدمی کے شعور وارادے میں نور کی مقداریں خطرناک حد تک کم ہو چکی ہیں۔ نور کی انرجی کم ہونے کی وجہ سے آدمی کا شعور کمزور اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کمزوری حد سے بڑھ جائے تو روحِ حیوانی کی ناسوتی روشنیاں نور کا غلاف بن کر لاشعور اور شعور کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے روحِ اعظم کی جانب سے نور اور روحِ انسانی کی جانب سے ہدایت نہیں پہنچتی اور نظر چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھنے کی بجائے کائنات میں مادی اجسام کو چلتے پھرتے دیکھتی ہے۔

نظر اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی ہر صفت نور ہے۔ اللہ کی فکر کائنات میں چھپا ہوا خزانہ حقیقتِ محمدی ﷺ کا نور ہے۔ اللہ کی نظر روحِ اعظم کے ذریعے کائنات کے دائرے میں سفر کرتی ہے اور کائنات کے جس ذرے کو اپنے نور سے خالی دیکھتی ہے وہاں سے پلٹ جاتی ہے۔ نظر کی

روشنی کے تنزل اور صعود کا مرکزی نقطہ روح کا وہ نقطہ ہے جس سے وہ اس عالم کو دیکھتی ہے۔ اگر اس نقطے میں نورانی روشنیاں غالب ہیں تو آدمی کی نگاہ نورانی روشنی میں کائنات کا مشاہدہ کرتی ہے اور اگر مادی روشنیاں غالب ہیں تو مادی روشنی میں کائنات کا مشاہدہ کرتی ہے۔

مادی روشنیوں کی ویولینتھ عالمِ ناسوت ہے۔ نورانی روشنیوں کی ویولینتھ عالمِ ملکوت ہے اور تجلی کی نگاہ کی ویولینتھ عالمِ جبروت و عالمِ لاہوت ہے۔ حضور پاک ﷺ کی نظر چاروں عالمین میں بیک وقت دیکھتی ہے۔ اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین کہا ہے۔ روح کی نظر جس عالم میں پہنچتی ہے اسی عالم میں انسان اپنے آپ کو موجود جانتا ہے۔

روح کی نظر میں کائنات کے تمام نقش و نگار موجود ہیں۔ روح کی نظر کے ساتھ ساتھ نظر کی روشنی میں موجود نقش و نگار بھی اس عالم میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح روح کی نظر کائنات کو دیکھ رہی ہے۔ روحِ اعظم کی نگاہ میں ازل سے ابد تک کے تمام اجزاء موجود ہیں۔ اسی مناسبت سے روحِ محمدی ﷺ کی نظر ساری کائنات کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی نظر بھی کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اور تجلیات کے عالمین کا مشاہدہ کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ایک ایسا اعجاز ہے۔ جس کی عظمت و بزرگی کو سوائے اللہ جل شانہٗ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اللہ کی نظر ہی حقیقتِ محمدی ﷺ کے چھپے ہوئے خزانے کو دیکھ سکتی ہے اور اس کی صحیح عظمت کو پہچان سکتی ہے۔ بنی نوعِ انسان کے لیے سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ رحمت للعالمین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بشری نسل سے چُنا ہے۔ بشری نسل میں رحمت للعالمین ﷺ کا ذہن براہِ راست منتقل ہو رہا ہے۔ اگر نسلِ انسانی پیغمبرانہ صفات کو اپنا لے تو رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سے خود اپنے اندر چھپے ہوئے خزانوں سے واقفیت حاصل کر لے گی۔

اللہ کے محبوبؐ

مراقبہ میں دیکھا کہ میں اصحابِ صفّہ کے چبوترے پر بیٹھی ہوں۔ یہ چبوترا نور کا بنا ہوا ہے۔ حضور پاکؐ قبرِ مبارک پر ایستادہ ہیں۔ آپؐ کے جسمِ مبارک سے انوار نکل کر میرے اندر جذب ہو رہے ہیں۔ میرا جسم بھی روشنی کا بنا ہوا ہے۔ حضور پاکؐ کے سینے پر کلامِ پاک کندہ ہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ آپؐ کا سینۂ پرانوار ایک تختی یا لوح ہے۔ اس پر قرآن مجید نقش ہے۔ میں بہت زیادہ شوق کے ساتھ حضور پاکؐ سے درخواست کرتی ہوں کہ حضورؐ کلام پاک کے علوم میرے دل پر بھی نقش فرما دیجئے۔

میری اس درخواست پر حضور پاکؐ میری جانب توجہ فرماتے ہیں۔ حضورؐ کے سینے کی تحریر سے نور کی لہریں نکلنے لگتی ہیں اور میرے دل کے نقطے کے اندر جذب ہوتی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور پاکؐ مجھے نہایت ہی محبت و شفقت کے ساتھ تعلیم دیتے ہیں۔ آپؐ نے مجھے کائنات کی تخلیق کے متعلق تعلیم دی اور مشاہدہ کرایا۔ کائنات کی اشیاء کے ساتھ تبادلۂ خیال کا طریقہ سمجھایا۔ یہ تمام علوم سیکھنے کے بعد میرا دل کائنات کی تمام اشیاء کی طرف سے ہٹ گیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ مجھے کائنات کی اشیاء سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

میرے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی شدید خواہش ہوئی۔ میں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ حضور ﷺ مجھ پر رحم فرمائیں۔ آپ رحمت للعالمین ﷺ ہیں، میری طرف توجہ فرمائیں۔ تاکہ میں اپنے مالک اپنے خالق اپنے آقا کا قُرب حاصل کر سکوں۔ میری اس درخواست پر حضور پاک ﷺ کے جسمِ مبارک سے انوار کی بے شمار لہریں نکلتی ہیں۔ ہر لہر کے اندر ایک باریک چمکیلے نور کی ڈوری ہے۔ تمام انوار کی لہریں میری جانب آتی ہیں اور ان کے اندر کی نور کی ڈوری میرے ارد گرد لپٹ جاتی ہے۔

ان ڈوریوں میں میں سر سے پاؤں تک بندھ جاتی ہوں۔ میں جان لیتی ہوں کہ یہ تمام ڈوریاں اللہ تعالیٰ کے عشق کی زنجیریں ہیں۔ یہ جان کر کچھ تعجب ہوا اور خیال آیا کہ حضور پاکؐ کے انوار کی ہر لہر کے اندر اللہ تعالیٰ کے عشق کی ڈور ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضور پاکؐ کا کوئی

معمولی سا بھی خیال اللہ تعالیٰ کے عشق سے خالی نہیں ہے۔ تب میں نے سوچا کہ حضور پاکؐ کے دل میں جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اتنی کسی شخص کے دل میں نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضور پاکؐ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ حضور پاک ﷺ میرے ان خیالات سے آگاہ ہو گئے اور مسکرا کر فرمایا۔ ''بیٹی اللہ تعالیٰ کا عشق ہی سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اسی کے اندر تمام معرفت کے علوم پوشیدہ ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے عشق کو اپنے دل اور دماغ کے اندر نقش کر لو۔ اس عشق کی روشنیاں تم پر علم و حکمت کے دروازے کھول دیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا عشق ہی تمام علومِ معرفت کا سرچشمہ ہے۔ اس کے عشق کی زنجیروں میں جکڑے جانے کے بعد انسان اس کی زمین پر آزادانہ سفر کرتا ہے۔ اس کا جسم کششِ ثقل سے آزاد ہو کر ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور نور کی فضاؤں میں اڑنے سے انسان کو روحانی خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔''

اربوں کھربوں دُنیائیں

مراقبہ میں دیکھا کہ میں مسجد نبویؐ کے اندر اصحابِ صفہ کے چبوترے پر بیٹھی ہوں۔ حضور پاکؐ کی روشنیاں میرے اندر جذب ہو رہی ہیں۔ میرے دل کا نقطہ بہت زیادہ روشن ہے اور اس میں سے روشنیاں نکل کر ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ باباجی میرے برابر ہیں۔ باباجی نے فرمایا۔ ''آؤ اوپر چلتے ہیں۔'' ہم اوپر کی جانب اٹھے تو میرا سر کسی چیز سے ٹکرایا۔ اوپر نظر ڈالی تو دیکھا کہ آسمان ہے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے آسمان کو ہٹا دیا۔ اور ہم دونوں اوپر اڑنے لگے۔ یہاں پر لاتناہیت کے عالم میں اللہ تعالیٰ کا نور پھیلا ہوا ہے۔

ہر طرف مختلف رنگوں کے نور کے دریا ہیں۔ اربوں کھربوں کی تعداد میں یہ دریا ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میں باباجی سے پوچھتی ہوں۔ ''بابا جی یہ تمام دریا کیا ہیں اور اس قدر زیادہ تعداد میں کیوں ہیں؟'' باباجی فرماتے ہیں۔ ''یہ تمام دریا اللہ تعالیٰ کی صفات کے دریا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔'' میں ان دریاؤں کو غور سے دیکھتی ہوں۔ ہر ہر دریا کے اندر ایک ایک عالم (Universe) قائم ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ اربوں کھربوں کی تعداد میں دنیائیں آباد ہیں۔

ایک دریا کے اندر بے شمار Planets ہیں۔ یہ تمام دنیائیں (Planets) کوئی بن رہی ہے۔ کوئی مٹ رہی ہے۔ ان کے اندر ہماری دنیا کی طرح مخلوقات آباد ہیں۔ ان کا طرزِ زندگی بھی ہم سے ملتا جلتا ہے۔ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز بھی ہماری ہی طرح کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس دریا کے اندر جو عالم آباد ہے اس عالم کی تمام اشیاء پر اس دریا کا رنگ غالب ہے۔

یعنی ہر ہر عالم اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ہر عالم کے اندر مخصوص صفاتِ الٰہیہ کے انوار کام کر رہے ہیں اور اس عالم کی ہر اشیاء پر انہیں مخصوص صفات کا عکس یا رنگ غالب ہے۔ ان تمام دریاؤں کو دیکھ کر مجھے کائنات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور خیال آتا ہے کہ

کائنات کے پردے پر تخلیقات کا ایسا لا متناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ نئے نئے عالم بنتے اور مٹتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات لا متناہی ہیں۔

اس کی تمام صفات کے اندر تخلیق کا نور شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مبارک میں جنتیوں کے لئے فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ انسان اسی طرح مختلف دنیاؤں میں منتقل ہوتا رہے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا مشاہدہ کر سکے اور ان کے علوم جان سکے۔

مسیحا

مراقبہ میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں اصحابِ صفّہ کے چبوترے پر بیٹھی ہوں۔ حضور پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی طرف دیکھتی ہوں۔ قبرِ مبارک کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔اس کے اندر سے حضور پاک ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ میں حضور پاک ﷺ کو سلام کرتی ہوں۔ حضور ﷺ جواب دیتے ہیں۔ پھر حضور پاک ﷺ اپنے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی میری جانب اٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی انگشتِ مبارک سے بہت بڑی نور کی دھار میرے قلب کی جانب آتی ہے اور قلب کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔

میرے دل کا نقطہ بہت تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے۔اس میں سے بہت ہی تیز روشنی کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ یہ شعاعیں بیم لائٹ (Beam) کی طرح ہیں۔ جس جگہ پڑتی ہیں وہاں کی تمام اشیاء صاف نظر آتی ہیں۔اس روشنی میں دیکھتی ہوں کہ ایک پورا عالم آباد ہے۔ اس کی سرزمین بہت زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ باغات کے اندر کچھ لوگ چل پھر رہے ہیں۔ خیال آتا ہے کہ یہ جنت نہیں ہے۔ بلکہ ہماری زمین کی طرح ایک (Planet) ہے۔لوگوں کو غور غور سے دیکھتی ہوں۔

تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ چند لمحوں تک اس عالم کا مشاہدہ کرتی ہوں پھر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں چبوترے پر بیٹھی بیٹھی پگھل رہی ہوں اور چبوترے سے نیچے کی جانب بہہ رہی ہوں۔ میرا وجود رقیق روشنی کی شکل میں ہے۔چبوترے کے نیچے نور کا دریا بہہ رہا ہے۔ میرا بدن پگھل کر اس دریا کے اندر ملتا جا رہا ہے۔ میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہہ رہی ہوں۔ اگرچہ میرا جسم رقیق روشنی کی صورت میں نور کے دریا کے اندر مدغم ہو چکا ہے۔

مگر میرے اندر شعور باقی ہے۔ میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہی ہوں کہ میرے اطراف میں کیا ہے۔ کہاں جا رہی ہوں، مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ نور کا دریا دائرے میں بہہ رہا ہے۔اس دائرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا پردہ ہے۔اس

پردے پر مختلف قسم کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ہر قسم کی مخلوقات اس پردے پر موجود ہیں۔ پوری کائنات اس پردے پر ہے۔ میں اس پردے پر دیکھ رہی ہوں ایک بہت ہی بوڑھا شخص ہے، چلنے پھرنے سے معذور ہے لیکن لیٹا ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے۔

میں سوچتی ہوں کتنا نیک آدمی ہے، اس قدر بوڑھا ہے، چلنے پھرنے سے معذور ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا۔ اس نیک آدمی کی مدد کرنی چاہیے تاکہ یہ تندرست ہو کر آرام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے۔ میں اس پر اپنی روشنیاں ڈالتی ہوں۔ اس کو اُٹھ کر بیٹھنے کو کہتی ہوں۔ اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتی ہوں۔ بہت پیار سے اس کو تسلی دیتی ہوں۔ چند لمحوں میں وہ اُٹھ کر چلنے پھرنے لگتا ہے۔

تندرست ہو کر وہ بے حد خوش ہوتا ہے اور میرا نام پوچھتا ہے کہ میں آپ کو کس نام سے یاد رکھوں۔ میں کہتی ہوں۔ صرف اتنا یاد رکھو کہ میں بنتِ رسول ﷺ ہوں۔ یہ کہہ کر میں فوراً پلٹ جاتی ہوں۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں مستقل دریا کے اندر بہہ رہی ہوں۔ مگر میرے تفکر کی روشنی میری شکل میں لوگوں کے قریب جا کر ان کی مدد کرتی ہے۔ میری نظریں پھر کائنات کے پردے پر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی روشنی میں دیکھنے لگتی ہیں۔

پردے پر ایک شخص نیچے گرا ہوا ہے۔ آس پاس کئی لوگ جمع ہیں۔ ایک شخص اس کو ہلا جلا کر دیکھتا ہے۔ کہتا ہے یہ مر گیا۔ میں پاس آتی ہوں۔ اس شخص سے پوچھتی ہوں۔ اس کو کیا ہوا؟ اس نے کہا ''یہ چلتے چلتے گر پڑا ہے اور اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی ہے۔'' میں کہتی ہوں۔ ''تم جلدی سے ہٹو۔ مجھے دیکھ لینے دو۔'' پاس جا کر اس کے قلب پر روشنی ڈالتی ہوں۔ میرے دل کا نقطہ تیزی سے گردش کرتا ہے۔ اس نقطے سے روشنی کی تیز دھار نکل کر اس مردہ شخص کے دل میں جذب ہو جاتی ہے۔

آہستہ آہستہ اس کا دل حرکت کرنے لگتا ہے۔ چند لمحوں میں وہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہتا ہے۔ ''آپ کون ہیں؟'' میں یہ کہہ کر پلٹ جاتی ہوں کہ صرف اتنا یاد رکھو کہ میں بنتِ رسول ﷺ ہوں۔ اور اس کو کچھ دیر آرام کرنے کے لئے کہتی ہوں۔ ایک جگہ دیکھتی ہوں

کہ ایک شخص قریب المرگ ہے۔ یہ بالکل نوجوان لڑکا ہے۔ تمام ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے سرہانے اس کی ماں حسرت و یاس کی تصویر بنی بیٹھی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا۔

تیزی سے اس کے پاس آتی ہوں۔ پوچھتی ہوں۔ ''کیا بات ہے؟ اس بچے کو کیا تکلیف ہے؟'' وہ عورت آنسو بھری آنکھوں سے میری جانب دیکھتی ہے۔ میں فوراً اس کی نگاہوں سے سمجھ جاتی ہوں کہ یہ ماں اپنے بچے کی زندگی سے مایوس ہو چکی ہے۔ اس سے کہتی ہوں ''کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے دماغ کے اندر مسلسل خون بہہ رہا ہے۔ اگر اس کو روکا نہ گیا تو یہ چند لمحوں میں چل بسے گا۔'' ماں کہتی ہے کہ ڈاکٹروں کو معلوم ہے مگر وہ اس خون کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ میں اس لڑکے پر روشنی ڈال کر تصرف کرتی ہوں۔ خون بند ہو جاتا ہے۔ چند لمحوں میں ہی لڑکا آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اس کی ماں بہت خوش ہوتی ہے۔ کہتی ہے یہ تو بتا دیجئے آپ کون ہیں؟ میں کہتی ہوں۔ ''میں بنتِ رسول ﷺ ہوں'' اور وہاں سے پلٹ آتی ہوں۔

اس طرح تمام وقت دریائے نور میں سفر کرتی رہی اور کائنات کے پردے پر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی فلم کے اندر اپنے آپ کو ایک مسیحا کے روپ میں دیکھتی رہی۔

محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ اوّل)

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے۔

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

ترجمہ: اے نبی (مکرم) ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۵۔۴۶)

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ (سورۃ الزمر آیت ۱۲)

عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹)

إِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھیجتے ہیں درود اس نبی مکرم پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپؐ پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو۔ صَلَّى اللهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ

دنیا میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پیشتر جتنے بھی پیغمبران علیہم السلام تشریف لائے وہ صرف اپنی ہی قوم پر مبعوث کئے گئے تھے اور ان کی ذمہ داری صرف اپنی قوم کی اصلاح تک تھی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آل عمران کی سورت میں ۴۹ویں آیت کے پہلے حصے میں لکھا ہے۔ ''وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ'' اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا۔ اسی طرح جتنے بھی پیغمبروں کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وہ ان کی قوم کی ہدایت واصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم میں نبی مقرر فرمائے اور روشن دلیلیں دے کر انہیں بھیجا گیا ہے۔ یہ ذکر سورۃ فاطر کی ۲۴ویں آیت میں موجود ہے۔

ترجمہ: ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے۔ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

نوعِ انسانی کو علم الاسماء کے سکھائے جانے کے پروگرام میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر مبعوث کئے وہ علیحدہ علیحدہ قوم کو اللہ تعالیٰ کے حقائق سے آگاہ کرتے رہے۔ بیشتر مرتبہ دنیا کے اندر ایک سے زیادہ پیغمبر بیک وقت موجود رہ چکے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام بیک وقت دو مختلف علاقوں میں تبلیغ کے کاموں میں مصروف رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرداً فرداً ہر ہر قوم پر اپنے رسول بھیج دیئے جنہوں نے ساری دنیا کے چپے چپے میں اللہ تعالیٰ کی آواز پہنچادی۔ تب یہ ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسا پیغمبر بھیجتے جو ساری دنیا میں بھیجے گئے صحیفوں، آسمانی کتابوں، روشن دلیلوں اور تمام پیغمبران علیہم السلام کے سکھائے

گئے اسباق کو علم الاسماء کی ایک ہی لڑی میں پرو دیتا تاکہ ساری دنیا بیک وقت اس بات سے مطلع ہو جائے کہ ہر قوم اور ہر امت پر بھیجے جانے والے پیغمبر اور رسول ایک ہی ذاتِ واحد کی جانب سے نورِ ہدایت لے کر دنیا میں نازل ہوئے۔

ان سب کا مشن ایک ہی ہستی اور ایک ہی ذات سے دنیا والوں کو متعارف کرانا تھا۔ اگر اس حقیقت کی تصدیق ایک ہی ہستی کے ذریعے عالمگیر پیمانے پر نہ کی جاتی تو لوگوں کے ذہنوں پر وحدانیت کا خاکہ ہر گز بھی مکمل نہ ہوتا اور ہر پیغمبر کا خدا علیحدہ علیحدہ تصور کیا جاتا اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں اور روشن دلیلوں کی تعلیمات کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف سمجھا جاتا اور لوگوں کو ایک کڑی سے دوسری کڑی ملانی مشکل ہو جاتی۔ اس لیے دنیا کو ایک ایسے ہادی اور ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت تھی جو اپنی پیغمبری کے جھنڈے تلے تمام پیغمبروں کو جمع کر لیتا اور ایک ایسی آسمانی کتاب کی ضرورت تھی جو اپنے اندر تمام آسمانی کتابوں، تمام آسمانی صحیفوں اور تمام روشن دلیلوں کو سمیٹ لیتی تاکہ یہ پیغمبر تمام پیغمبروں کی آواز بن جاتا اور یہ آسمانی کتاب آسمانی کتابوں و صحیفوں کی نمائندگی کا حق ادا کرتی۔ قدرت کے اس تفکر اور ارادے کا نور دنیا میں آ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کے جمال میں ڈھل گیا جس کی روشنیوں نے ساری دنیا کو اپنی آغوشِ رحمت میں سمیٹ لیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر دنیا میں نازل فرمایا۔ آپ ﷺ عرب کی سرزمین مبارک پر مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اس وقت دنیا میں بہت سے مذاہب رائج تھے جن میں یہودی، نصاریٰ، مجوسی اور بت پرست سرفہرست تھے۔ عرب میں بت پرستی بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی اور اس زمانے کے یہودی اور نصاریٰ بھی اس کی روک تھام سے قاصر تھے بلکہ وہ بھی اپنی اچھائیوں کو بھول کر بُرائیوں کی طرف راغب ہو چکے تھے۔

حضور پاک ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عرب میں اس قدر اندھیرا چھا چکا تھا کہ بتوں کی پرستش کرتے کرتے اور بتوں کو دیکھتے دیکھتے ان لوگوں کے دل بھی پتھر کی طرح سخت ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں سے اپنی اولاد کی محبت نکل چکی تھی اور انتہا یہ کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ

دفن کرنے لگے تھے۔اللہ تعالیٰ کا دریائے کرم جوش میں آیا اور اس درندگی کو ختم کرنے کے لیے اس رب العالمین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین ﷺ بنا کر دنیائے عرب میں نازل فرمایا اور حالات کے مطابق حضور پاک ﷺ نے معجزے بھی دکھائے۔

چونکہ سیدنا حضور پاک ﷺ کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور اپنے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں اس کا ذکر کچھ یوں ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔''اس لیے رسول اللہ ﷺ ایک ایسی ہستی ہیں جن کے اندر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے تمام علوم اور تمام معجزے موجود ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہاں دینِ اسلام کی وضاحت ضروری ہے۔اس لیے کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف حضور پاک ﷺ کے لائے ہوئے دین کو تمام لوگوں کے لیے پسند کر لیا اور باقی جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک دنیا میں آئے ان سب کے لائے ہوئے دین کو رد کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی تمام پیغمبر دینِ اسلام کا نہیں بلکہ نعوذ باللہ کسی اور دین کا پرچار کرتے رہے۔ ظاہر ہے یہ بات بالکل بعید از عقل ہے۔

جب کہ ہر پیغمبر ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ہر پیغمبر کا کام لوگوں کو ذاتِ واحد سے متعارف کرانا ہے۔ پھر اس آیت کی روشنی میں ہمارے لیے اس بات کا جاننا ضروری بلکہ فرض ہو جاتا ہے کہ ہم تمام پیغمبروں کے حالات اور ان کے لائے ہوئے دین کا اسلام کی

روشنی میں مشاہدہ کریں تو حقیقتِ حال ہم پر صاف صاف واضح ہو جاتی ہے کہ ہر پیغمبر دینِ اسلام ہی کی دعوت لوگوں کو دیتے رہے ہیں۔اور اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور مکمل قانونِ فطرت کا نام ہے۔

اسلام علم الاسماء کا نور ہے۔اسلام کا سورج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک ہے۔اسی سورج کی ایک ایک شعاع ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سورج کی روشنی اور حرارت آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔یہاں تک کہ نصف النہار میں سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگانے لگتا ہے۔اس وقت سورج کی تمازت اور سورج کی روشنی پورے عالم کو روشن کر دیتی ہے۔اور تب سارا عالم سورج کے وجود سے باخبر ہو جاتا ہے اور اس کی روشنی اور اس کی گرمی کو محسوس کر لیتا ہے۔

تب سارا جہان یہ جان لیتا ہے کہ طلوع ہونے والے سورج کی ہر شعاع سورج ہی کا ایک حصہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اول المسلمین حضور پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔یہی ذاتِ پاک ﷺ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اذن پر اسلام کی روشنی پہنچانے کا اہتمام کرتی ہے،تو اس پروگرام کے تحت تمام پیغمبروں کا نزول دنیا میں ہوتا ہے اور جب ایک ایک شعاع اپنی اپنی روشنی دنیا میں پہنچا دیتی ہے تو سورج اپنی کل روشنیوں کے ساتھ آسمانی دنیا پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

سورج کی ہر شعاع میں سورج ہی کی روشنی ہے اور سورج ہی کے رنگ ہیں۔مگر جزاور کل میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اس فرق کو اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو رحمت للعالمین ؐ کہہ کر ساری کائنات پر واضح کر دیا ہے۔پس اپنے حبیب ؐ کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں پوری کر دیں اور دینِ اسلام کو ایک مکمل ضابطے کی صورت میں تشکیل کر کے قرآن حکیم کے نام سے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرما دیا۔قرآن کریم اسمائے الٰہیہ کے فارمولوں اور قوانین کی کتاب ہے۔

اسمائے الٰہیہ کی روشنیوں کے فارمولوں سے کائنات کی اشیاء وجود میں آتی ہیں۔قرآن کریم میں ان تمام اشیاء کے فارمولے موجود ہیں۔اور ان کے تمام قوانین موجود ہیں جو کائنات کی حدود میں جاری وساری ہیں۔نعمتیں پوری ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کی ذات ایسی

ہستی ہے جس کو اسمائے الٰہیہ کے تمام علوم اور تمام قوانین پر دسترس حاصل ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ پاک کے اندر اسمائے الٰہیہ کی تمام روشنیاں بیک وقت کام کر رہی ہیں۔ اسمائے الٰہیہ کی روشنیاں اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفات ہیں۔

یہ تمام روشنیاں یہ تمام صفات حضور پاک ﷺ کی ذات کے ذریعے سے کائناتِ عالم میں پھیلتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سراجاً منیراً یعنی روشن آفتاب جو خود بھی روشن ہے اور اپنی روشنیوں سے دوسروں کو بھی منور کرنے والا ہے، کہا ہے۔

حدیثِ قدسی ہے کہ ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے اپنے آپ کو خلق پر ظاہر کر دیا۔''

جب ہم اس حدیثِ قدسی پر غور و فکر کرتے ہیں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے کا ذریعہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نور کے اور کوئی نہیں ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ نور جس کے اندر ''میں پہچانا جاؤں'' کا تفکر موجود ہے۔ یہی وہ نورِ اوّل ہے جس کا ایک رخ ذاتِ باری تعالیٰ خود ہے اور دوسرا رخ ذاتِ باری تعالیٰ کے پردے میں پوشیدہ ہونا ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کو اللہ تعالیٰ نے چھپا ہوا خزانہ کہا۔ نورِ اول ذاتِ باری تعالیٰ کا ایک جز ہے۔

اسی نور کو اللہ تعالیٰ کا اسم ھوالاوّل متعارف کراتا ہے اور اسی نور کا وجود زمانۂ ازل کی شروعات سے بھی پہلے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نور خود ذات کا ایک حصہ ہے۔ ذات جب اپنے نور کی صفات کو ظاہر کرنا چاہتی ہے تو نظر سب سے پہلے نورِ اوّل کے اندر موجود تمام صفات کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ نورِ اوّل کے اندر صفات کی ہر تجلی اسمائے الٰہیہ ہے۔ ذاتِ خداوندی کا خلق میں پہچانے جانے کا تفکر تمام اسمائے الٰہیہ کے اندر (Feed) کرتی ہے۔ یہ ذات کی صفات کے اندر Inspiration ہے۔

تمام اسمائے الٰہیہ کی تجلیاں نزول کرتی ہیں اور انہی تمام اسمائے الٰہیہ کی تجلیوں سے روحِ محمدی ﷺ تخلیق ہوئی ہے۔ تمام اسمائے الٰہیہ کے ذریعے صفاتِ الٰہی کے علوم کی تجلیاں روحِ محمدی ﷺ کے اندر داخل ہوتی ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ سے اسمِ ذات اللہ کی تجلیاں روحِ محمدی

ﷺ کو حیاتِ ابدی اور بقا عطا کرتی ہیں۔ روحِ محمدی حجابات کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ کے تفکر ''میں پہچانا جاؤں'' کے پروگرام کے مطابق مکمل علوم حاصل کرتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس تفکر کو عملی صورت میں جاری فرمایا تو حجابات کے پردوں سے روحِ محمدی ﷺ کی روشنی حجابِ محمود، حجابِ کبریا اور حجابِ عظمت سے گزرتی ہوئی عرش کی سطح پر نازل ہوئی اور عرش کی سطح سے کائنات کی حدود میں ان روشنیوں کا ظہور ہوا۔ نورِ محمدی ﷺ کی ہر شعاع کے اندر ذات کا تفکر ''میں پہچانا جاؤں'' کام کر رہا ہے۔ پہچانے جانے کے لئے پہچاننے والے کا بھی ہونا لازمی ہے۔

پس نورِ محمدی ﷺ وہ ذاتِ پاک ہے جس کے سپرد ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچاننے کا کام ہے۔ نورِ محمدی ﷺ کی ہر شعاع کائناتِ عالم میں جہاں جہاں پہنچتی ہے، اس حق کو ادا کرتی ہے۔ ہر شعاع مخلوق کی شکل و صورت میں ظاہر ہو کر اپنے خالق اور اپنے رب کو پہچاننے کا حق ادا کرتی ہے اور جب تک پہچاننے کا حق پوری طرح سے ادا نہیں ہو جاتا وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اور کائنات کے درمیان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے جو کائنات کے ذرّے ذرّے کو وحدانیت کے تفکر سے متعارف کراتی ہے تاکہ کائنات کا ہر ذرّہ اپنے خالق کے وجود کو جان لے، پہچان لے اور ذات کے حکم کو اچھی طرح سمجھ کر اس کی بجاآوری میں لگ جائے اور اس کے خزانوں پر اس کی نعمتوں کا شکر گزار بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کے کندھوں پر اپنے تفکر ''میں پہچانا جاؤں'' کی امانت رکھی ہے۔ اس امانت کو اٹھانے کے لئے کائنات میں انسان یا بشر کو نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے چنا گیا ہے اور اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا کیے گئے ہیں۔ اگر ہم اس حدیثِ قدسی کی روشنی میں انسان یا آدم کی نیابت اور خلافت اور اس کے علوم اسمائے الٰہیہ پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان یا آدم کی نیابت و خلافت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حضور پاک ﷺ کی معرفت سے ہے۔

کلمہ شریف لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اللہ اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے محمد ﷺ کی گواہی ہے۔ اس کلمے میں سوائے حضرت محمد ﷺ کے اور کسی بھی پیغمبر کا نام نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو معبودِ برحق تسلیم کرنے کے لئے صرف حضور پاک ﷺ کی گواہی ہی کافی ہے۔ یہاں أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں حضور پاک ﷺ کا قَالُوْا بَلٰی کہنا سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے براہِ راست خطاب کیا اور اس کے حبیب ﷺ نے براہِ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہاں تم ہی ہمارے رب ہو۔

اس وقت کائنات کی تمام روحیں حجابِ محمدی ﷺ کے پردے میں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد عہدِ الست کو انسان بھول جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حضرت محمد رسول اللہ کو ہی کائنات کہتی ہے اور اسمِ محمدؐ کے اندر اسمائے الٰہیہ کا وہ تمام نور اور وہ تمام رنگ کام کر رہے ہیں جو نور اور رنگ ساری کائنات کے اندر کام کر رہے ہیں اور جس کے رنگ کائنات کے ذرّے ذرّے میں موجود ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رحمت للعالمین ﷺ کہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو بہت سے ناموں سے پکارا ہے۔ جیسے سورۃ النجم کی آیت نمبر ا ہے اور جس کا ترجمہ یہ ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى: قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اترا

سورۃ طٰہٰ کی پہلی آیت ہے۔

طٰهٰ مَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى

یعنی چودھویں کا چاند۔ نہیں اتارا ہم نے آپؐ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

سورۃ احزاب کی ۴۶ویں آیت میں آپ ؐ کو سراجاً منیراً کہا گیا ہے۔ ستارہ، چاند، سورج، نظامِ شمسی ہے۔ ایسے لاشمار نظامِ شمسی کائنات کے اندر موجود ہیں۔ یعنی لاتعداد نظامِ شمسی کے دائرے کا نام ہی کائنات ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر چاند، سورج اور ستاروں میں نورِ محمدی ﷺ کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاند، سورج، ستارے کی تخلیق نورِ محمدیؐ کے نور سے وجود میں آتی ہے اور چاند، سورج، ستاروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تفکر ''پہچانا جاؤں''، یعنی وحدانیت کا تفکر کائنات کے ذرّے ذرّے میں تقسیم ہو رہا ہے۔

چاند، سورج، ستارے کی ظاہری شکل وصورت وحدانیت کو تسلیم کر کے خالق کو پہچاننے کا حق ادا کرتی ہے۔ وحدانیت کا تفکر جو تجلی ذاتِ باری تعالیٰ ہے، کائنات کی بساط ہے۔ اس بساط کے اوپر نورِ محمدی ﷺ کی شعاعیں جو اسمائے الٰہیہ کی روشنی ہیں، آکر اپنے کمالات کا اظہار کرتی ہیں۔ ان تمام روشنیوں کے اندر ذاتِ باری تعالیٰ کا تفکر اور صفاتِ باری تعالیٰ کا تفکر محمد رسول اللہ ﷺ کے تفکر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ ذاتِ محمدی کائنات کے ہر ذرے میں اپنے رب کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔

انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کائناتِ عالم کے نظام کو جاری و برقرار رکھنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی نوعِ انسان کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام قدرت کر رہی ہے۔ پیغمبروں کا دنیا میں تشریف لانے کا مقصد بھی یہی ہے۔

حضور پاک ﷺ کے معجزات کے بیان سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہن میں حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک کا ایک خاکہ اوپر بیان کئے گئے الفاظ کی روشنی میں تیار کر لیں اور یہ جان لیں کہ حضور پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس ایک ایسا نقطہ ہے جس میں ذاتِ باری تعالیٰ کی تمام صفات کام کر رہی ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا ہر تفکر ذاتِ محمدی ﷺ میں کام کر رہا ہے اور حضور پاک ﷺ کے ذریعے تمام کائنات میں تقسیم ہو رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بار بار کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کے لیے ادب و تعظیم کا درس دیا ہے اور لوگوں کو کہا گیا ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ دیں اسے اللہ کی جانب سے سمجھو۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات میں جو کچھ بھی ردوبدل کرنا چاہتی ہے یہ سارا کام حضور پاک ﷺ کے ذریعے سے عمل میں آتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کی ذات ایک ایسا میڈیم یا ایک ایسا واسطہ ہے جس کے ذریعے سے ذاتِ باری تعالیٰ کی ہر روشنی کائنات کی حدود میں پہنچتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کو سراجاً منیراً، طٰہٰ اور والنجم کہا گیا ہے۔ حجابِ محمود کے پردے پر آپ ﷺ کا نور سراجاً منیراً بن کر جگمگا رہا ہے۔ حجابِ کبریا کے پردے پر آپ ﷺ کا نور طٰہٰ (چودھویں کا چاند) بن کر چمک رہا ہے۔ اور حجابِ عظمت کے پردے پر آپ ﷺ کا نور نجم بن کر جلوہ افروز ہے اور ان تینوں حجابات کے پردوں میں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس مقامِ محمود پر کائنات کی بادشاہی کے تخت پر متمکن ہے۔

سارا عالمِ امر آپ ﷺ کا دماغ ہے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''میری امت کے علماء یعنی اولیاء اللہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔'' حضور پاک ﷺ کے اس فرمان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔ تمام پیغمبران علیہم السلام حضور پاک ﷺ کے واسطے سے دنیا میں علم الاسماء کی تعلیم دینے کے پروگرام میں دنیا میں بھیجے گئے اور آخر میں خود ذاتِ محمدی ﷺ کی تجلی ذات کا لباس اوڑھ کر دنیا میں لوگوں کو اپنے رب سے متعارف کرانے کے لیے تشریف لائی۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی ذات کو رحمت للعالمین ﷺ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیاں بحیثیت خالق اور رب کے اور حضور پاک ﷺ کا نور بحیثیت رحمت کے ہر وقت تمام عالمین اور تمام کائنات کے اوپر محیط ہے۔ کائناتِ عالم میں ہماری دنیا کی طرح بے شمار آبادیاں موجود ہیں جہاں مخلوق بستی ہے اور انسان بستے ہیں۔ ان سب کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور پاک ﷺ کی جانب سے پروگرام مرتب ہیں اور ہر جگہ جہاں جہاں ضرورت ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر اور حضور پاک ﷺ کی تجلیاں ذات کے لباس میں کام کرتی ہیں۔

ساری کائنات میں ایک ہی روح کام کر رہی ہے اور یہ روح روحِ محمدی ﷺ ہے جو اللہ کی رحمت بن کر سارے جہانوں پر چھائی ہوئی ہے۔ کائناتِ عالم میں کوئی پتہ بھی ایسا نہیں کھڑکتا جس کی حرکت روح اپنے اندر نہ محسوس کرتی ہو۔ روحِ محمدی ﷺ کی ہر صفت محیط ہے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اپنی تمام صفات کے ساتھ سارے عالمین پر محیط ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے کوئی ذرّہ باہر نہیں نکل سکتا، اسی طرح آپ ﷺ کی رحمت سے کوئی ذرّہ محروم نہیں رہ سکتا۔

ایسی بے مثال ہستی جسے ہم ذاتِ خداوندی کا عکس کہہ سکتے ہیں، ایسی عظیم الشان ولازوال ہستی سے وہ کون سا کام ہے جو بعید از قیاس سمجھا جا سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ذاتِ محمدی ﷺ کا ہر کام اور نورِ محمدی ﷺ کی ہر حرکت ایک معجزہ ہے مگر ان سب چیزوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے دیدۂ بینا اور عقلِ سلیم کی ضرورت ہے۔

حضور پاک ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔ سورۃ النجم کی تیسری چوتھی آیت کا ترجمہ ہے۔ ''اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔'' ان آیات سے حضور پاک ﷺ کا ہر کلام اور ہر فعل ذاتِ خداوندی کا تفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تفکر کی حرکت حضور ﷺ کی ذات کے دائرے میں عمل میں آتی ہے۔ اب ہم معجزۂ شق القمر اور اس کی روحانی و عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ایک دفعہ مشرکینِ مکہ اکٹھے ہو کر حضور پاک ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی اور رسولِ برحق ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایئے تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس سے پہلے کسی بھی نبی نے آفاق کی حدود میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا تھا بلکہ تمام پیغمبروں کے معجزے زمین کی حد تک اور زمین پر بسنے والی مخلوق کے اندر تصرفات کرنے کی حد تک محدود تھے۔ مشرکینِ مکہ آپ ﷺ سے پہلے گزرنے والے پیغمبروں کے حالات و معجزات سے واقف تھے۔

کیونکہ ان کی لائی ہوئی کتابیں اور صحیفے اس وقت تک ان کے یہاں موجود تھے جن پر یہودی اور نصاریٰ ایمان لائے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے اندر سے ایمان کی روح نکل چکی تھی جس کی وجہ سے وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ مشرکین نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھانے کا مطالبہ محض اس غرض سے کیا تھا کہ چونکہ اس سے پہلے کوئی نبی آفاق میں تصرف نہ کر سکا۔ انہوں نے اپنی دانست میں یہ جانا کہ یہ کام حضور پاک ﷺ کے لیے بھی ممکن نہ ہوگا اور یقیناً وہ حضور پاک ﷺ کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

ان نادانوں کے مطالبے پر حضور اکرم ﷺ نے چاند کی جانب انگلی اٹھا کر صرف اشارہ فرمایا۔ آپ ﷺ کے اشارے کی دیر تھی کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف ہو گیا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے دوسری طرف ہو گیا۔ اس وقت موجود تمام مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کوہِ حرا کے دونوں جانب چاند کا ایک ایک ٹکڑا ہے۔ اس کے ساتھ ہی گرد و پیش سے آنے والے مسافروں نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ انہوں نے چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان کوہِ حرا کو دیکھا ہے۔

مگر وائے بد نصیبی و نامرادی کہ اللہ تعالیٰ کی برہان اور اس کی روشن دلیل کو دیکھنے کے باوجود بھی ان کے دل کی آنکھ کھل نہ سکی اور ان کی عقلوں سے ظلمتوں کی تاریکیاں دور نہ ہو سکیں۔ کیونکہ معجزے کے مطالبے سے پہلے ہی ان کی نیت ایک ناممکن بات کو ممکن کر کے دکھانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ بلکہ وہ تو اپنے کفر پر جمے ہوئے تھے۔ اس سے ان کی نیت محض اللہ کے رسول ﷺ کی تذلیل تھی جیسا کہ اس سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ ہو چکا تھا اور جب نیت اور ارادہ ہی نہ ہو تو اللہ کی روشنیاں ان کے دلوں میں کیسے داخل ہوتیں اور وہ کس طرح ایمان لا سکتے تھے۔

پس اس روشن دلیل کے ساتھ ہی ان مشرکوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ ہدایت پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو انہوں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر اپنے عذاب کی مہر چسپاں کر دی اور ان کی جگہ اسفل

السافلین میں ابد تک کے لئے مقرر کر دی۔ سورۃ قمر میں ان تمام واقعات کے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ اب ہم سورۃ قمر کی چند آیتوں سے ان تمام واقعات کی تشریح بیان کرتے ہیں۔

سورۃ قمر کی شروع کی آیتوں کا ترجمہ ہے۔ ''پاس آلگی وہ گھڑی اور چاند شق ہو گیا اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بڑا زبردست جادو ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی۔ ہر امر کا وقت مقرر ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے۔ سراسر حکمت ہیں۔ پس ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکا۔ پس آپ ﷺ رخِ انور پھیر لیں ان سے۔ ایک روز بُلائے گا بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف۔ خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف۔ کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔ جھٹلایا ان سے پہلے قومِ نوح نے۔ یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے۔ اور اسے جھڑکا بھی گیا۔ آخر کار انھوں نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو بدلہ لے۔ ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔''

ان آیتوں کے بعد سورۂ قمر میں مسلسل نام بنام ایک ایک پیغمبر کی قوم کی تباہی کا حال ہے اور ان پر نازل کیے گئے عذاب کا تذکرہ ہے جن سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر شعوری طور پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھا دیتے ہیں، جن کو وہ اپنے ظاہری حواس کے ساتھ دیکھ لیتے ہیں پھر بھی اگر وہ ہدایت کو تسلیم کرنے کا ارادہ نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں اور اس کے نبیوں کی شفقت سے دور ہو جاتے ہیں اور قدرت کے قہر و جلال کا شکار ہو جاتے ہیں اور قدرت کے قہر و جلال کے شکنجے میں پھنسنے کو قیامت کہا گیا ہے۔

قیامت ایک فرد پر بھی اس کی نافرمانی کی وجہ سے آسکتی ہے اور ایک قوم پر بھی بوجہ اس کے رسولوں کے جھٹلانے سے آسکتی ہے اور ساری دنیا پر بھی ان کے کفر کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے منکر ہونے کی وجہ سے آسکتی ہے اور ایسے تمام واقعات اور تمام دلیلیں کلامِ الٰہی میں

موجود ہیں۔ سورۂ قمر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی قانون کو بیان فرمایا ہے کہ پیغمبروں کے معجزے اللہ تعالیٰ کی برہان ہیں۔اس کے حق کی تلوار ہیں اور جب یہ تلوار ایک بار اپنی میان سے باہر ہو جاتی ہے تو پھر باطل کا سر کاٹے بغیر دوبارہ میان میں اس کا جانا ممکن نہیں ہے۔

معجزۂ شق القمر کو جب ہم روحانیت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے قمر کے دو ٹکڑے ہونے کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں۔اللہ تعالیٰ اور کائنات کے درمیان آپ ﷺ کی ذات وسیلہ اور واسطہ ہے۔اللہ کا ہر امر آپ ﷺ کے وسیلے سے کائنات کے اجزا تک پہنچ رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے امر کی ہر تجلی رسول پاک ﷺ کے اوپر نازل کرتے ہیں اور رسول پاک ﷺ اللہ کے امر کا حکم کائنات کی روحوں کو دیتے ہیں یعنی کائناتِ عالم کے ذرّے ذرّے میں اللہ تعالیٰ کے امر کی جو حرکت پائی جاتی ہے،اس حرکت میں رسول اللہ ﷺ کا حکم اور ارادہ بھی شامل ہے۔

کائنات کے ہر جز کو ہر ہر لمحے کی حرکت کے لیے اللہ تعالیٰ کے عالمِ امر سے حکم مل رہا ہے۔یعنی عالمِ امر ایک ایسا اسٹیشن ہے جو ہر لمحے کائنات کی خبریں نشر کر رہا ہے۔عالمِ امر کی ہر نشریات کسی نہ کسی جز سے تعلق رکھتی ہے جس کی وجہ سے کائنات کا ذرہ ذرہ عالمِ امر سے وابستہ رہنے پر مجبور ہے۔عالمِ امر کے ایک ایک تار سے ایک ایک روح بندھی ہوئی ہے۔

جب عالمِ امر کے تار میں حرکت ہوتی ہے تو یہ حرکت روح کے اندر منتقل ہو جاتی ہے اور روح اس حرکت کو جسم کے اندر منتقل کر دیتی ہے۔ جس سے ظاہری عمل کا مظاہرہ ہوتا ہے۔عالمِ امر کی ہر حرکت حضور پاک ﷺ کے حکم سے عمل میں آتی ہے۔ سورج اپنے طلوع و غروب کے لیے رسولِ خدا ﷺ کے حکم کا محتاج ہے۔ چاند اپنے گھٹنے بڑھنے کے لیے عالمِ امر سے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا ہر دم منتظر ہے یعنی کائنات اپنی زندگی کی حرکت کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ کے امر کی محتاج ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تابعداری اس کے لیے ناگزیر ہے۔

اس کے بغیر کسی ذرّے کی حرکت اور زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس چاند میں تصرف کرنا اس ذاتِ اقدس کے لیے کیا مشکل بات تھی، جس ذاتِ پاک ﷺ کے قدموں میں سارا زمانہ ہے اور جس کا حکم سارے جہانوں میں چل رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ ہی عالمِ امر ہے۔ جیسے ہی آپ کے ارادے کی وہ ڈور ہلی جس میں چاند کے لئے دو ٹکڑے ہونے کا حکم تھا، آپ ﷺ کے ارادے کی حرکت عالمِ امر سے چل کر اس تار میں آگئی اور چاند کی روح آپ ﷺ کے حکم کو پہچان گئی اور فوراً ہی اس حکم کی حرکت پر چاند عملی طور پر دو ٹکڑے ہو گیا۔

چونکہ پیغمبر کا ہر معجزہ عالمِ امر کی تجلی کی حرکت ہے۔ تجلی کے اندر ٹائم اینڈ اسپیس نہیں ہے۔ تجلی کا ہر کام معجزے کی صورت میں رونما ہوتا ہے جو تفکر یا فکر کی رفتار ہے۔ اور لائٹ کی اسپیڈ سے کئی گنا تیز ہے۔ تفکر کو ہم دماغی صلاحیت کہہ سکتے ہیں۔ دماغی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفات ہیں۔ یہ تخلیقی صفات اسمائے الٰہیہ کی صفات ہیں۔

حضور پاک ﷺ کی ہر فکر اسمائے الٰہیہ کی صفات کے ساتھ قائم ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ذہن کو اسمائے الٰہیہ کی تجلیوں سے روشنی ملتی ہے۔ ان تجلیوں کو آپ ﷺ اپنے ارادے سے مخلوق کے کاموں میں لاتے ہیں۔ چونکہ آپ ﷺ کے اندر کائنات کی تمام مخلوق کا ادراک موجود ہے۔ اس لیے آپ ﷺ ان تجلیوں کی مناسب اور متعین مقداروں سے واقف ہیں کہ کتنی مقداریں مخلوق کے ذہن کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ دوسرے معنوں میں ہر مخلوق کے اندر کام کرنے والے فارمولوں سے آپ ﷺ واقف ہیں اور اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ کسی فرد یا نوع کا ذہن کس فریکوئنسی پر قائم ہے۔

فریکوئنسی حرکت کی وہ مقداریں ہیں جن سے فکر یا ذہن بنتا ہے۔ یہ حرکت عالمِ امر کی تجلیوں کا نزول ہے جس کی حرکت تواتر کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ روشنی کی ہر شعاع کے اندر متعین مقداریں کام کر رہی ہیں۔ یہی متعین مقداریں اشیاء یا نوع کے فارمولوں میں کام کر رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ امر کی تجلی ایک نوع کا فارمولا ہے۔ فارمولا جب حرکت میں آتا ہے تو عالمِ ارواح سے روح کا سفر عالمِ ناسوت میں شروع ہو جاتا ہے۔ روح کی حرکت جس راستے یا تار پر ہوتی ہے وہ روح کی فریکوئنسی ہے۔

اسی تار کے ذریعے روح کی ہر فکر نیچے اترتی اور چڑھتی ہے۔ فریکوئنسی کی مقداریں وقت کا تعین یا زمان کی بنیاد ہیں۔ اگر آفاق کی یا دنیا کی کسی بھی شے کی فریکوئنسی کا تعین ہو جائے تو اس فریکوئنسی پر شے سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ جیسے ٹیلیفون کے خاص نمبر ڈائل کرنے سے متعلقہ فرد سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ آواز خاص لہروں پر سفر کر کے پہنچتی ہے۔ ہر ہر حرکت کی متعین مقدار ہے۔ اگر روح کا فارمولا معلوم ہو تو روح کے اندر کام کرنے والی روشنیوں کی حرکت سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔

فارمولوں کے علوم سے واقفیت رکھنے والا فارمولے کے اندر مقداروں میں ردّوبدل کر کے حرکت کو تیز یا کم کر سکتا ہے۔ مگر ان سب کاموں کے لیے خود اس شخص کے اپنے ارادے کا شے کے ارادے سے زیادہ طاقتور ہونا ضروری ہے۔ انسان کا ارادہ اس کی فکر کی اسپیڈ ہے۔ اسپیڈ ہی انرجی ہے۔ فکر کی پہنچ انسان کے ذاتی ارادے کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہے۔

حضور پاک ﷺ کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا ہے کہ آپ ﷺ تو اپنی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں ہیں بلکہ ہر بات آپ ﷺ کی اللہ کی جانب سے وحی ہے۔ وحی اللہ کا تفکر ہے۔ لہٰذا حضور پاک ﷺ کی ہر فکر براہِ راست اللہ تک پہنچتی ہے۔ اور آپ ﷺ کے ذہن کا رابطہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ فکر کی یہی اسپیڈ تسخیرِ کائنات کا فارمولا ہے۔

حضور پاک ﷺ کا ایک اور معجزہ جس کا مشاہدہ دوست و دشمن سب نے جنگ بدر کے میدان میں کیا وہ یہ ہے کہ کفار کا لشکر بدر کے میدان میں پھیلا ہوا تھا۔ لڑائی زوروں پر تھی۔ حضور پاک ﷺ نے ایک مٹھی خاک اس میدان سے اٹھائی اور کفار کے لشکر کی جانب پھینک دی۔ وہ لشکر جو میدان کے ایک وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا، تمام لڑنے والے مختلف پوزیشن میں تھے۔ کسی کا منہ کدھر تھا تو کسی کا منہ کدھر تھا۔ مگر جب حضور پاک ﷺ نے مٹھی بھر خاک ان کی طرف پھینکی تو خاک کے ذرّے سب کی آنکھوں میں گھس گئے اور سارے کے سارے دیکھنے سے معذور ہو گئے۔ اس بات سے وہ لوگ اس قدر دہشت زدہ ہوئے کہ لاشیں تک چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو زبردست فتح ہوئی۔

سورۃ انفال کی ۱۷ ویں آیت سے آگے آیتیں ہیں جن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

ترجمہ: ''پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں اور نہیں پھینکی آپ ﷺ نے وہ مشتِ خاک جب آپ ﷺ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جانب سے بہترین احسان۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔ اگر تم فیصلے کے طلبگار تھے تو آ گیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی۔ اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنھوں نے کہا ہم نے سن لیا۔ حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر جب وہ رسول ﷺ بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں۔ اور خوب جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل کے درمیان۔ بے شک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔''

ان آیات کو سمجھ کر پڑھنے سے حضور اکرم ﷺ کے اس معجزے کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر۔ رسول کا پکارنا تمہیں زندگی کی روشنیاں بخشتا ہے۔ دوسرے معنوں میں اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور جو نہیں لبیک کہتے وہ اللہ اور رسول ﷺ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی دانست میں خواہ کچھ بھی سمجھتے رہیں اللہ تعالیٰ کا حکم جب آ گیا تو ہر صورت میں اس کی فرمانبرداری لازمی ہے ورنہ معتوب قرار دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونا اسی قانون کی طرف اشارہ ہے۔ انسان اور اس کے دل کے درمیان جو شے ہے وہ ضمیر ہے۔ ضمیر کے مقام پر حق کی آواز انسان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی ہے۔ یہ مقام انسان کی سماعت کی گہرائی ہے۔ اسی مقام سے نکل کر اللہ تعالیٰ

کاامر یا حکم شعور کی سطح پر انسان کی سماعت میں آتا ہے۔انسان جب بار بار اپنے ضمیر کی آواز کو ٹھکرا دیتا ہے تو اس کے رد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی آواز کی جو روشنیاں اس مقام پر آتی ہیں وہ آگے بڑھنے سے رُک جاتی ہیں اور ایک جگہ جمع ہو جانے سے اس سطح پر بلوریں شیشے کی طرح سخت غلاف آجاتا ہے۔

جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی آواز شعور کی سطح تک نہیں پہنچ سکتی اور انسان اپنے دل یعنی اپنی مرضی اور اپنے ارادے و عقل سے ہر شے کو معنی پہناتا ہے اور اسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا۔اس کے شعور کا پیٹرن ہی الٹ ہو جاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کی نگاہ لوگوں کے باطن میں ہونے والے تغیر و تبدل کو خوب اچھی طرح دیکھتی اور جانتی ہے۔جب آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ کافر اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آتے اور اپنی تعداد کو زیادہ سمجھ کر طاقت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔جب کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے۔تب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو جان کر اور اس کی آواز کو سن کر ایک مٹھی ریت کافروں کی جانب پھینکی۔ مٹی کا پھینکنا اللہ تعالیٰ کے حکم پر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے امر کی تجلی نے تمام کافروں کی سماعت کے نظام کو ہی تباہ کر دیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں میں کسی قسم کی رکاوٹ پسند نہیں کرتا۔قدرت ایک خاص مدت تک مہلت دیتی ہے اور پھر اس کے بعد فیصلہ کر دیتی ہے۔پس امرِ الٰہی کے قانون نے جب یہ دیکھا کہ ان لوگوں کی سماعت اب اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی آواز اور اس کے حکم کی روشنی گزر کر ان کے شعور تک پہنچ سکے۔تب اس نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ان سب کافروں کی سماعت کو ہی ختم کر دو۔

حضور پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ساتھ عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی نے اُن کی سماعت کے اِن سخت شیشوں کے پردوں کو پاش پاش کر دیا اور مٹی کے ذرّات نے ان کی آنکھوں میں داخل ہو کر ان کو دیکھنے سے معذور کر دیا اور انہیں شکست ہو گئی۔آیتِ

مذکورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اور نہیں پھینکی آپ ﷺ نے وہ مشتِ خاک جب آپ ﷺ نے پھینکی۔''اس جگہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی حرکت کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے کہ جیسے ہی اللہ نے حکم دیا اسی لمحے حضور پاک ﷺ کا دستِ مبارک حرکت میں آ گیا یعنی عالمِ امر سے جو تجلی اتری، اس نے اپنا کام فوراً ہی کر لیا۔ چونکہ اس کے کام میں ٹائم اینڈ اسپیس کی کمی ہو گئی۔ اس لیے اس کے اندر کی توانائی پوری کی پوری برقرار رہی۔ جس کی وجہ سے حکم کی تکمیل من و عن ہو گئی۔

حضور پاک ﷺ کے اس معجزے میں اللہ تعالیٰ کے جو قانون ملتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو یہ کہ پیغمبر کی بات اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ پیغمبر کی بات سے رو گردانی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے اور اس جنگ میں انسان کے جیتنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل انسان کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہے۔ یہ ایسا نظام ہے کہ اس کے اندر ایک معمولی سی بھی رکاوٹ اور گڑبڑ برداشت کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے اذن پر اس کے حکم کی آواز بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی ہے۔

دوسرا قانون جو اس معجزے کے اندر بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پہچان کر فوراً اس کے مطابق کام کرتا ہے تو اس کام کے لیے اس کی توانائی امرِ الٰہی کی روشنی بن جاتی ہے جس سے اس کا کام تیزی کے ساتھ اور تسلی بخش ہو جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے اور دنیا کو بھی اور خود اس کی اپنی ذات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ دل یعنی قوتِ ارادی مضبوط ہوتی ہے اور یقین کامل ہوتا ہے۔

اس میں تیسرا قانون یہ ہے کہ وہ بندے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، نہیں سمجھتے اور نہیں مانتے، ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے۔ غور طلب بات ہے کہ اگر کوئی درندہ آبادی میں گھس آتا ہے اور آبادی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے تو اسے گولی مار دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سانپ گھر میں نکل آتا ہے تو اسے اس خیال سے مار دیا جاتا ہے کہ یہ کسی کو کاٹ نہ لے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تو نافرمان انسانوں کو جانوروں سے بھی بد تر کہا ہے یعنی نافرمان بندے انسانیت کے لیے جانوروں سے زیادہ ہلاکت خیز ہیں اور ان کی روک تھام ضروری ہے۔ یہاں جہاد کے حکم کی غرض وغایت کی سمجھ آتی ہے۔ غرض کہ پیغمبروں کا ہر عمل انسان کو قانونِ فطرت کے رموز سے آشنا کرتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ دوم)

حضور پاک ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ معراج شریف پر جانا ہے۔ جس کی اطلاع قرآن کریم میں سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ملتی ہے۔

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والاo''

ان آیات میں صاف صاف یہ اطلاع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو بحالتِ بیداری، جسمانی عقل و شعور اور بیداری کے حواس کے ساتھ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کا ذکر کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ یہ سیر بیداری کے حواس کے ساتھ تھی۔ اگر سیر لاشعوری حواس میں ہوتی تو تذکرے میں دنیاوی مقامات مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کی بجائے غیب کی دنیا اور آسمانوں کا ذکر آتا۔ یہاں پہلے دنیاوی مقامات کا ذکر کرنا اس بات کی دلالت ہے کہ آپؐ نے بیداری میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا اور شعوری حواس کے ساتھ لاشعوری دنیا یعنی غیب کی دنیا میں سفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کی ہر اطلاع اور ہر آیت نہایت ہی جامع کلامِ الٰہی ہے۔ چند الفاظ میں اطلاع کا پورا خاکہ کھینچ دیتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا اس کے کلام کی جامعیت میں کسی کو شک و شبہے کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ بس صرف اس فکر کی ضرورت ہے جو کلامِ الٰہی کی گہرائیوں میں اتر کر اللہ تعالیٰ کے تفکر کی باریکیوں کا سراغ لگا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت شریفہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں سیر کرائی۔ آگے ہے کہ کہاں کی سیر کرائی۔ جواباً ارشاد ہے۔

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔اور مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک ہمارے محبوبؐ کے قدمِ مبارک کی برکتوں کی وجہ سے ان کے اطراف کے مقامات کو بھی ہم نے بابرکت بنادیا۔ معراج شریف کا دائرہ بحالتِ بیداری اور شعوری حواس میں دنیا کی حدود میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور اس کے گردونواح کے مقامات تک محدود ہے۔

اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔آیتِ مذکورہ میں مِنْ اٰیٰتِنَا یعنی میری نشانیاں یعنی تجلیاں مراد ہیں۔یہ وہ تجلیاں ہیں جن کا نزول خانہ کعبہ پر ہوتا ہے اور یہ تجلیاں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک قدرت کی نشانیاں ظاہر کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ڈسپلے کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اپنی ذات سے نزول کرنے والی تجلیوں کے تمام مدارج زمین سے لے کر آسمان تک اور آسمان سے لے کر عرش تک اور عرش سے لے کر ذات تک کے تمام مدارج کا مشاہدہ کرادیا۔

آیت شریفہ میں معراج مبارک کی اطلاع میں سیر کا آغاز دنیا سے کیا گیا ہے۔دنیا میں بیداری کے حواس انسان کے اندر کام کرتے ہیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا بیداری کے حواس میں قدرت کی نشانیاں دیکھنا ثابت ہوتا ہے۔اس سے دوسرے پیغمبران کی نسبت حضور اکرمؐ کے شعور کی عظمت اور حواس کی مضبوطی کا احساس ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر ایک تجلی کو ظاہری حواس کے ساتھ برداشت نہ کر سکے اور ایک نظر دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے یعنی تجلی کی روشنی نے ان کے ظاہری حواس کو وقتی طور پر معطل کردیا۔

مگر حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور سے ایسی توانائیاں بخشی ہیں کہ آپ ﷺ نے مسجدِ حرام سے لے کر مسجدِ اقصیٰ تک کے رقبے میں تجلیاتِ ربانی کا زمین سے آسمان تک کے رقبے میں تجلیاتِ ربانی کا زمین سے آسمان تک بلکہ قاب قوسین تک تمام عمل دیکھ لیا اور نہ آپ ﷺ کی نظر بھٹکی اور نہ آپ ﷺ کے حواس ایک لمحے کو بھی معطل ہوئے۔الحمد للہ تمام تعریف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

سورۃ النجم میں شروع کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کی ان نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے جو نشانیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو شبِ معراج میں دکھائی تھیں۔ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔

''قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ تمہارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے مگر وحی۔ جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے۔ بڑے دانا نے۔ پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا۔اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ نہ جھٹلایا دل نے جو کچھ انھوں نے دیکھا۔ کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو انہوں نے دیکھا۔اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ نہ درماندہ ہوئی چشمِ مصطفیٰ اور نہ آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور پاک ﷺ نے جو کچھ بھی دیکھا اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔اپنے کلام کی حکمتوں اور اس کے اسرار کو کھولنے سے پہلے اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کے عقل و شعور کی عظمت بیان فرماتے ہیں۔تاکہ کم عقل لوگ اس کے کلام کی ندرت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے محبوب ﷺ کی عقل و دانش پر انگلیاں نہ اُٹھائیں۔ نجم یعنی ستارہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ان حواس کو کہا ہے، جو حواس مادی دنیا میں کام کرتے ہیں اور روحِ حیوانی کے حواس ہیں۔

اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اس کی صداقت بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے ظاہری حواس ستارے کی طرح روشن اور صاف ہیں۔ وہ مادی دنیا کی ہر قسم کی کثافت سے دور ہیں۔ایسے ہی پاک حواس سے اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کو دیکھا جا سکتا ہے اور ایسے ہی پاک نفس کے اندر اللہ تعالیٰ بستا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے امر کا مظہر بن جاتا ہے۔ستارے کے نیچے اترنے سے مراد شبِ معراج میں آسمانوں کی سیر سے واپس زمین پر آنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق واقعۂ معراج کا بیان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں رسول کریم ﷺ کو اپنی صفتِ تدلی کا مشاہدہ کرایا۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں اس کا ذکر ہے۔ صفتِ تدلی کیا ہے۔ اور حضور پاک ﷺ کس طرح ان تجلیات سے قریب ہوئے وہ ان آیاتِ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ سات آسمان، عرش، کرسی، لوحِ محفوظ، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ۔ سدرۃ المنتہیٰ کو قرآن کی زبان میں افقِ اعلیٰ کہا گیا ہے۔ افقِ اعلیٰ سے تجلیات کا ہجوم شروع ہو جاتا ہے۔ تجلیات کے بعد اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو چیز فاصلہ متعین کرتی ہے اسے تدلی کہتے ہیں۔

تدلی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ناقابلِ تذکرہ فاصلے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تدلی دراصل اسمائے الٰہیہ کی تشکیل ہے۔ اسمائے الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو ذات کا عکس بن کر تنزل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جب حضور پاک ﷺ معراج میں تدلی سے گزر گئے، تو ذاتِ باری تعالیٰ اور حضور پاک ﷺ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہا اور اس قدر قربت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اور کائناتِ عالم کے اندر کام کرنے والے پوشیدہ اسرار آپ ﷺ کے سامنے کھول دیئے۔

سدرۃ المنتہیٰ وہ حد ہے جس سے آگے ملائکہ مقربین نہیں جا سکتے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تجلیوں کے عالمین ہیں۔ جہاں اسمائے الٰہیہ کا نزول ہے۔ زمان و مکان کی حدود سدرۃ المنتہیٰ تک ہیں۔ اس سے آگے تجلیوں کے عالمین ہیں اور تجلیات کے بعد ذاتِ الٰہی سامنے آ جاتی ہے۔ تجلیوں کے عالمین سے لامکان کی حد شروع ہوتی ہے۔ لامکان سے ذات تک جو تجلیات ہیں، وہ تجلیاں ذات کا عکس ہیں اور یہی تجلیاں اسمائے الٰہیہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ انہی تجلیوں کا صعود ذات کو سامنے دیکھ لیتا ہے اور انہی تجلیات کا نزول اسمائے الٰہیہ ہیں۔

نظر ان تجلیات سے جس طرح گزرتی ہے وہ صفتِ تدلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو اپنی تمام تجلیات سے گزار کر اپنی ذات کی جانب کھینچ لیا۔ اور اس قدر قریب کر لیا کہ جہاں کسی اور ہستی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر واپسی کے سفر میں دوبارہ حضور پاک ﷺ تجلیوں کے عالمین سے گزرے اور یہاں اللہ تعالیٰ کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں کہ جن کا تصور بھی انسانی عقل میں نہیں آ سکتا۔ زمان و مکان کے فاصلے طے کر کے لامکان اور ذات تک پہنچنا رات کے صرف چند لمحوں میں ایک ایسا معجزہ ہے جس پر عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے۔

اس کے سوااور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس لمحے حضور پاک ﷺ کے تمام حواس کی رفتار زمان و مکان کی ہر قید سے آزاد ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کے تمام حواس اللہ تعالیٰ کی نظر بن چکے تھے اور اللہُ هُوَ السَّمِيْعُ اللہُ هُوَ الْبَصِيْرُ کے مصداق خود اللہ تعالیٰ کی نظر اپنی ذات کو دیکھتی ہے اور خود اس کی اپنی سماعت اپنے کلام کو سنتی ہے اور خود اس کا اپنا ادراک اسے پہچانتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کی ذاتِ پاک ایک ایسا آئینہ ہے جس کے اندر ذاتِ خداوندی اپنے جلووں کو دیکھتی ہے۔ اس لمحے من و تو کا جھگڑا ہی نہیں ہے۔ سب کچھ تو ہی تو ہے اور جہاں سب کچھ اللہ ہی ہو جائے، وہاں زمان و مکان کا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔ پس وقت کا ایک ہی لمحہ فرش سے لامکان تک محیط ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس لمحے کے ایک ایک جز کا حضور پاک ﷺ کو مشاہدہ کرا دیا۔ اصل میں معراج کا لمحہ وہ لمحۂ حقیقی ہے، جس لمحے ذاتِ خداوندی نے اپنے نور سے کائنات کی تخلیق فرمائی تھی۔

حضور پاک ﷺ کے حواس کو اللہ تعالیٰ نے اس لمحے کی گہرائی میں انتہا تک اور پھر انتہا سے سطح تک یعنی دنیا تک پہنچا دیا اور حقیقت کا ہر لمحہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اور اس کی انتہا خود ذات ہے۔ جس کے لیے حضور پاک ﷺ نے فرمایا لِيْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ یعنی وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے اور یہی لمحہ جاودانی ہے۔ وقت یا زمان ایک ایسی حرکت ہے جس کی لاشمار یونٹ ہیں۔ ہر یونٹ ایک لمحہ ہے۔ ہر لمحہ جب فنا ہو جاتا ہے تو دوسرا لمحہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اس طرح وقت کی حرکت اور زمانے کی گردش مسلسل محسوس ہوتی ہے۔ ہر لمحہ جو فنا ہو جاتا ہے وہ عالمِ لاہوت میں اللہ تعالیٰ کی تجلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کا حافظہ ہے۔ جب انسان کا حافظہ اس لمحے کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو ارادہ بار بار اس لمحے کو دہراتا ہے۔ ارادے کے بار بار دہرانے کی وجہ سے تجلی میں اس لمحے کے خاکے نقش ہو جاتے ہیں۔ تجلی کے یہی نقوش بقا ہیں یعنی اس پورے لمحے کا ایک مستقل ریکارڈ بن گیا۔ اس ریکارڈ کو انسان اپنے ارادے سے دیکھ سکتا ہے اور یہی لمحات جاودانی ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوتے۔

کیونکہ ان کی بقا تجلی پر ہے۔ بقا صرف ان لمحات کو میسر ہے جن کا ظہور حکمِ کن سے عمل میں آیا ہے۔ باقی وہ لمحات جن کے اندر انسان کا ذاتی ارادہ کام کر رہا ہے، اگر ذاتی ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے مماثلت نہیں رکھتا تو ایسے لمحات عالمِ مثال کے آئینے پر نقش ہو جاتے ہیں اور عالمِ مثال کا آئینہ اس کو ڈسپلے کرتا ہے جس کی حدود کائنات ہے۔ تجلی ذات کا عکس ہے۔ ذات حی و قیوم ہے اور ذات کا عکس بھی قائم اور دائم ہے کیونکہ اس کی بقا خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہے۔

یہ تجلی ذات کا عالم ہے۔ اس عالم کی ہر تجلی لمحۂ کن کی ایک یونٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ پر ہر لمحے ان تجلیوں کے اسرار بے نقاب کرتے ہیں اور نظر ہر لمحے ان کے جلووں سے سرفراز ہوتی ہے۔ فکرِ محمدی ﷺ ان کے علوم کائناتِ عالم میں تقسیم کرتی ہے تاکہ مخلوق اللہ تعالیٰ سے متعارف ہو کر اس کے قریب تر آجائے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کو خالق کی حیثیت سے پہچان جائے جو کہ کائنات کی تخلیق کا حقیقی مقصد ہے۔ اس پروگرام کے تحت زمین پر آدم کو نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

علم الاسماء اللہ تعالیٰ کے تفکر کی وہ فلم ہے جو لمحۂ کن کے اندر ریکارڈ ہے۔ نظر جب تجلی میں اس ریکارڈ کو دیکھتی ہے تو اس کی روشنی اللہ تعالیٰ کے اور حضور پاک ﷺ کے ارادے کے ساتھ کائنات کی حدود میں پھیل جاتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کی رحمت سے دنیا میں ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جن کے ذہن اس تجلی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ بندے علم الاسماء کو سیکھ کر ان کے پھیلانے میں حضور پاک ﷺ کے معاون بن جاتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کا یہ سب سے عظیم ترین معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعے کائنات کے ذرّے ذرّے کو اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل ہے اور آپ ﷺ کے ذریعے آدم اور تمام بنی نوعِ آدم کو اسمائے الٰہیہ کے علوم سکھانے کا پورا پورا انتظام قدرت کی جانب سے کیا گیا ہے اور اس تعلیم و تفہیم کا ایک مکمل ضابطہ قرآن مجید کی صورت میں زمین پر نازل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ہر آیت اللہ تعالیٰ کے علم کی ایک تجلی ہے اور اس تجلی کے اندر لمحۂ کن کا پورا ریکارڈ ہے۔ حضور پاک ﷺ سے محبت رکھنے والے بندے پر کلام پاک کی تجلیاں روشن ہو جاتی ہیں اور کلام پاک پڑھنے سے خواب یا غنودگی میں اس کے اندر کے خاکے ذہن پر واضح ہو جاتے

ہیں۔ قرآن پاک کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کے مکمل علوم اور اسمائے الٰہیہ کے مکمل قوانین اور فارمولے یا سنتِ الٰہی حضور پاک ﷺ پر اتار دیئے ہیں۔ اس کے بعد اب اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اوپر اپنے دینِ اسلام کو مکمل کر دیا ہے اور آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کر دی جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت ۳ میں ہے۔

ترجمہ: ''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔'' اسلام اسمائے الٰہیہ کے وہ قوانین ہیں جو کائناتِ عالم میں ازل اور ابد کی حدود کے اندر جاری و ساری ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر اس کے زمین پر پہنچانے والے حضور پاک ﷺ ہیں۔ اس لیے کلامِ الٰہی کے ساتھ ساتھ حضور پاک ﷺ کا تفکر ہر لمحے اپنے رب کے کلام کی حفاظت میں مصروف ہے اور چودہ سو سال سے برابر حضور ﷺ کی امت میں ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جو اس کلام کی روح لوگوں میں پھونکتے ہیں اور اس کی حقیقت سے لوگوں کو آشنا کرتے رہتے ہیں۔

کلام پاک علومِ خداوندی کا ایک بحرِ ذخّار ہے۔ چودہ سو سال سے لوگ اپنی اپنی عقل کے مطابق اور زمانے کے شعور کے مطابق اس کے علوم اور اس کی تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ مگر ہر زمانے میں اس کے اندر کی روشنیاں ایک نیا رنگ لے کر نمودار ہوتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اس حقیقت سے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے بندوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ سورۃ لقمان کی ۲۷ ویں آیت ہے:

ترجمہ: ''اور اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے مزید سیاہی مہیا کریں پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں۔ بے شک اللہ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔''

قرآن حکیم کی جامعیت کا اندازہ تو صرف بسم اللہ شریف سے ہی ہو جاتا ہے۔ بسم اللہ شریف پر غور و فکر کرنے سے تفکر کے دریچے ذہن میں کھل جاتے ہیں اور ان دریچوں سے رسول پاک ﷺ کا تفکر ذہن کے پردے پر اپنے علوم کے خاکے ڈسپلے کرتا ہے۔ بندہ تائیدِ غیبی اور رحمتِ

محمدی ﷺ کی برکتوں سے یہ جان لیتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا تعارف اپنے بندوں سے کرایا ہے۔ اللہ اسمِ ذات ہے اور ذات کی تعریف رحمٰن اور رحیم اسمِ صفات کے ذریعے سے ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خلق میں ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیوں کا ظہور ہوا۔ جو ذات کا عکس بن کر نظر کے سامنے آ گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللّٰہُ السَّمِیْعُ اللّٰہُ الْبَصِیْرُ۔ پس پہچانے جانے کے تفکر میں سب سے پہلے خود اللہ کی نظر اپنی ذات کی تجلیوں کو دیکھتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی نظر اپنی ذات میں اسمِ رحمٰن اور اسمِ رحیم کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر اسمِ رحمٰن اور رحیم کی تجلیاں تجلی ذات کے پردے سے باہر آ جاتی ہیں۔

اسمِ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے حکم پر ذات کا آئینہ بن جاتا ہے اور ذات کے اسرار و رموز، حکمتیں اور مشیتِ ایزدی اسمِ رحمٰن کے پردے میں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اسمِ رحیم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفات نظر کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اسمِ رحمٰن اور اسمِ رحیم مل کر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل کا کام شروع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اسمِ رحمٰن اور رحیم کی تجلیاں ارادے کے پردے پر نازل ہوتی ہیں۔ ہر تجلی ایک ایک اسمِ الٰہی ہے۔

یہ تمام اسمائے الٰہیہ کی تجلیاں اللہ تعالیٰ کے حکم پر ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں اور اس نقطۂ نور سے حقیقتِ محمدی ﷺ کا ظہور ہوتا ہے۔ روحِ محمدی ﷺ وجود میں آتی ہے، ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچاننے کا حق ادا کرتی ہے اور اسمِ رحمٰن کے ذریعے درجۂ نبوت میں ذاتِ باری تعالیٰ کے اسرار و رموز اور مشیتِ ایزدی کی حکمتوں کا مشاہدہ کرتی ہے اور اسمِ رحیم کے ذریعے درجۂ خلق میں تخلیقی صفات کے فارمولوں کا مشاہدہ کرتی ہے اور ذات اور صفات کو پہچان کر ذاتِ باری تعالیٰ کے قریب ترین ہو جاتی ہے۔

اسمِ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کا مجموعہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ معرفتِ ذات کے چالیس باب ہیں۔ ہر باب ایک درجۂ نبوّت ہے۔ درجۂ نبوّت کے عالمین اللہ تعالیٰ کے قرب میں لامکانیت اور لازمانیت میں موجود ہیں جو ذات کی تجلیوں کے عالمین

اور مقامِ لاہوت کہلاتے ہیں۔ یہ تمام مقامات اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لیے مخصوص ہیں۔ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور پاک ﷺ کی رحمت سے آپ ﷺ کے وسیلے سے قربِ خداوندی حاصل کرتا ہے اور یقیناً یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

حضور پاک ﷺ کے اندر کام کرنے والے تخلیقی فارمولوں کے ذریعے کائنات وجود میں آتی ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ حضور پاک ﷺ کے تفکر کا ترجمان بن کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا حق ادا کرنے میں کوشاں ہو جاتا ہے۔ کائنات کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعارف کرانے کا پروگرام درجۂ نبوّت میں پیغمبروں کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ تمام پیغمبران علیہم السلام کو دنیا میں بھیجے جانے سے پہلے درجۂ نبوت کے اندر رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے اور پھر ان کا نزول دنیا میں ہوتا ہے۔

کائناتِ عالم میں بے شمار ہماری جیسی دنیائیں آباد ہیں۔ جہاں مخلوق رہتی ہے۔ اللہ کے بندے بستے ہیں۔ ان سب کی تعلیم و تربیت کا انتظام پیغمبروں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ علم الاسماء کے علوم کا ایک باب اسمائے الٰہیہ کے تخلیقی فارمولوں کے علوم ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے، آپ ﷺ کی برکتِ خاص سے اللہ تعالیٰ نے دنیا پر فارمولوں کے علوم کا باب کھول دیا اور قرآن پاک کے اندر اسمائے الٰہیہ کے تمام تخلیقی فارمولے بیان کر دیئے ہیں۔ جو لوگ قرآن پاک کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق غور و فکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اس کے علوم کھول دیتے ہیں۔

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کیا ہے۔ کوثر سے مراد تخلیقی فارمولوں کے علوم ہیں جو آدم کو سکھائے گئے۔ فارمولوں کے علوم کی وجہ سے ہی قرآن پاک کو مکمل کتاب کہا گیا ہے۔ دوسری آسمانی کتابوں یا صحیفوں میں فارمولوں کے علوم نازل نہیں کیے گئے بلکہ ان میں تاریخ یعنی دوسری قوموں کے عروج و زوال کے بیان، سزا و جزا سے متعلق قوانین اور معاشرتی اصول کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ فارمولا ہی شے کی روح ہے۔ فارمولے کی تبدیلی شے کی تبدیلی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا قدرت کی طرف سے پورا پورا بندوبست کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر ساری کائنات کی تخلیق کے فارمولے موجود ہیں، جن کو جاننا تسخیرِ کائنات کے اصول ہیں، جو انسان کو ٹائم اینڈ اسپیس کی پابندی سے آزاد کرتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے فارمولوں کے علوم سے آگاہی اور خلق پر ان علوم کو ظاہر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے اندر تمام پیغمبران علیہم السلام کے معجزوں کی روشنیاں کام کر رہی ہیں۔ جہاں جہاں آپ ﷺ نے ان معجزوں کو ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہاں پر آپ ﷺ کی ذاتِ پاک سے ایسے معجزے بھی ظہور میں آئے جن کا مظاہرہ آپ ﷺ سے پہلے پیغمبروں کے ذریعے ہو چکا ہے اور حدیثِ صحیحہ کے ذریعے اُن کے واقعات عوام الناس تک پہنچ چکے ہیں۔ ان میں سے چند واقعات ہم تحریر کرتے ہیں۔ جو حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب ''مدارج النبوّت'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو طالبؓ ایک سواری پر سفر کر رہے تھے۔ ابو طالبؓ نے عرض کیا۔ اے بھتیجے مجھے سخت پیاس لگی ہے اور میرے پاس پانی بھی نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ سواری سے نیچے اترے اور اپنا قدمِ مبارک زمین پر مارا۔ زمین سے پانی ابلنے لگا۔ فرمایا۔ اے چچا۔ لو پانی پیو۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں میں سے ایک معجزہ عصا کا چٹان پر مارنے سے پانی کے چشموں کا چٹان سے ابلنا ہے۔ یہاں عصا کا کام حضور پاک ﷺ کا قدمِ مبارک کرتا ہے اور زمین سے پانی ابل آتا ہے۔ سبحان اللہ آپ کے روئیں روئیں میں تجلیوں کا ظہور ہے۔

دوسرا واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ چار سو صحابہؓ کے ساتھ حدیبیہ کے کنویں پر تشریف لائے۔ اس کنویں سے پچاس بکریوں کو بھی پانی نہیں پلایا جا سکتا تھا۔ صحابہؓ نے اس کنویں کا سارا پانی کھینچ لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ اس وقت حضور پاک ﷺ اس کنویں کی ایک جانب تشریف فرما ہوئے۔ ڈول سے پانی نکالا گیا۔ اس سے وضو فرمایا اور اپنے دہنِ مبارک کا پانی اس میں ڈالا اور دعا فرمائی تو اسی وقت اس میں پانی

جوش مارنے لگا اور سطحِ آب بلند ہو گئی۔ پھر تمام صحابہؓ نے سیر ہو کر پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور کنویں میں تیر مارا تو پانی جوش مارنے لگا یہاں تک کہ سب سیر اب ہو گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضور پاک ﷺ کا آخری غزوہ تھا، جب لوگ بھوک سے بے تاب ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو حکم فرمایئے کہ جو کچھ بچا کھچا ہے، جمع کر کے لائیں۔ اور حضور ﷺ ان پر دعائے برکت فرمائیں۔ فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے میں دعا کروں گا۔ چنانچہ جب حضور پاک ﷺ نے اعلان فرمایا تو لوگ بچا کھچا توشہ لانے لگے۔ کوئی ایک مٹھی ستو لایا، کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا۔

ایک شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار سیر) کھجوریں لایا۔ جب دستر خوان پر یہ تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں تو حضور پاک ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حکم فرمایا۔ ''اپنا اپنا توشہ بھر لو۔'' تو لشکرِ اسلام کا کوئی فرد ایسا نہ تھا جس کا توشہ دان نہ بھر گیا ہو۔ سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی دستر خوان پر بچ رہا۔ ایک روایت کے مطابق اس لشکرِ تبوک میں ستر ہزار لوگ تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی Last supper یعنی آخری کھانا کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں روٹی اور مچھلی تقسیم کی تھی۔ اس کی یاد میں عیسائی آج بھی Good Friday مناتے ہیں۔ جو ایسٹر کا دن ہے۔ اس دن عام طور سے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کی یادگار کے طور پر مچھلی کھاتے ہیں اور گوشت سے پرہیز کرتے ہیں۔

پانی اور بعام میں برکت کے بے شمار واقعات حضور پاک ﷺ سے گزر چکے ہیں۔ جانوروں کے ساتھ کلام کرنے کے بھی کئی واقعات ہیں۔ جن میں سے ایک اہم واقعہ ہم درج کرتے ہیں۔

امِ سلیمؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ صحرا میں گشت فرما رہے تھے کہ اچانک تین مرتبہ ''یارسول اللہ'' کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور ﷺ اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ ہرنی بندھی ہوئی ہے اور ایک بدوی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے ہرنی سے پوچھا۔ ''کیا حاجت ہے؟'' ہرنی نے کہا۔ ''مجھے اس بدوی نے شکار کر کے باندھ رکھا ہے۔ پہاڑ کی کھوہ میں میرے دو بچے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو انہیں دودھ پلا کر آجاؤں گی۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا تو ایسا کرے گی اور لوٹ آئے گی؟'' ہرنی نے کہا۔

''اگر میں لوٹ کر نہ آؤں تو خدا مجھے وہ عذاب دے جو محصول لینے والوں پر عذاب کرتا ہے۔'' اس پر حضور پاک ﷺ نے اسے رہا کر دیا۔ وہ چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد لوٹ آئی۔ اور حضور ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ جب بدوی بیدار ہوا تو کہنے لگا۔ ''یارسول اللہ ﷺ کوئی خواہش ہے؟'' فرمایا۔ ''خواہش یہ ہے کہ تو اس ہرنی کو جنگل میں چھوڑ دے۔'' بدوی نے ہرنی کو رہا کر دیا۔ وہ خوشی خوشی دوڑتی اور چوکڑیاں بھرتی چلی گئی۔

قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا جانوروں کے ساتھ گفتگو کرنا اور ان کی بولی سمجھنے کا ذکر آیا ہے۔ جو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں اونٹ، گدھے اور گوہ وغیرہ سے کلام کرنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح اطاعتِ نباتات کے بھی کئی واقعات ملتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

حضرت بریدہ اسلمیؓ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے رسول اکرم ﷺ سے معجزہ ظاہر کرنے کی خواہش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس درخت سے کہہ کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں۔ اس درخت نے ادھر اُدھر اور آگے پیچھے جنبش کی اور زمین سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو نکالا۔ پھر زمین کو چیرتا ہوا اور جڑوں کو گھسیٹتا ہوا حضور ﷺ کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ'' پھر بدوی نے کہا۔ اب اس درخت کو واپس لوٹ جانے کا حکم دیجئے تو وہ لوٹ کر اپنی جگہ واپس چلا گیا اور اس کی جڑیں زمین میں پیوست ہو گئیں۔

اطاعتِ جمادات کے متعلق بھی واقعات حدیث شریف میں ملتے ہیں۔

روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ ''کل تم اور تمہارے فرزند اس وقت تک گھر سے نہ نکلیں جب تک کہ میں نہ آؤں۔ اس لیے کہ مجھے تم سے کام ہے۔ تم سب میرا انتظار کرنا۔'' حضور پاک ﷺ نے نمازِ چاشت کے وقت ان کے گھر تشریف فرما ہو کر فرمایا۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' دریافت کیا۔ کیسے صبح کی؟ انہوں نے عرض کی الحمدللہ صبح بخیر ہوئی۔ فرمایا تم سب مل کر بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ان سب پر اپنی ردائے مبارک ڈالی اور دعا کی۔

''اے رب! یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کے ہم شبیہ ہیں۔ یہ سب میرے اہلِ بیت ہیں تو ان سب کو آتشِ دوزخ سے ایسا چھپا جیسا میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔'' اس گھر کے ہر در و دیوار اور ستونوں نے آمین کہی اور سب نے بھی آمین کہی۔

استنِ حنانہ کا واقعہ مسلمانوں میں کافی مشہور ہے جو یہ ہے کہ منبر شریف کی تعمیر سے پہلے حضور اکرم ﷺ ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ منبر شریف کے بننے پر جب آپ ﷺ پہلے دن منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھے تو کھجور کے تنے سے زور زور سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے وہ اونٹنی روتی ہے جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اسے اپنے سے چمٹایا اور فرمایا کہ اگر کہے تو تجھ کو ہرا بھرا کر دیا جائے تاکہ لوگ تیرا پھل کھائیں اور اگر کہے تو تیرا ٹھکانہ جنت میں جما دیا جائے تاکہ محبوبانِ خدا تیرے پھل کھائیں۔ درخت نے جنت میں رہنا گوارا کیا تو اسے منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

پہاڑ کا کلام کرنا اور لرزنا بھی روایات سے ملتا ہے جس میں احد پہاڑ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت عمرؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ جبلِ احد پر تشریف لے گئے۔ جب یہ حضرات پہاڑ پر چڑھنے لگے تو پہاڑ کانپنے لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے پہاڑ کو پاؤں مار کر کہا۔ ''اے احد اپنی جگہ قائم رہ۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔'' پہاڑ اسی وقت ساکت ہو گیا۔

کنکریوں کا آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں تسبیح کرنے کا ذکر بھی کئی جگہ آیا ہے۔ جسے صحابہ کرامؓ نے بھی سنا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کا ذکر کلام پاک میں آچکا ہے۔ شیر خوار بچوں کا بولنا اور شہادت دینا بھی حدیثوں سے منقول ہے۔ نیز بیماریوں کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کے بھی واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے غزوۂ خیبر کے دنوں میں حضرت علیؓ کے آشوبِ چشم کا واقعہ کافی زبان زدِ عام ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت علیؓ کو نہ پا کر آپ ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور اپنا لعابِ دہن آپؓ کی آنکھوں میں ڈالا جس سے آپؓ کی دونوں آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں اور پھر کبھی یہ تکلیف نہ ہوئی۔

اسی طرح حضرت جابرؓ کے فرزندوں کو زندہ کرنے کا واقعہ ہے۔ جب حضور پاک ﷺ ان کے گھر مہمان بن کر گئے۔ حضرت جابرؓ نے ایک بکرا ذبح کیا تھا۔ ان کے بڑے لڑکے نے یہ دیکھ کر کہ باپ نے کیسے بکرے کو ذبح کیا، اپنے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر دی۔ جب ان کی ماں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو دوڑ کر ان کی جانب آئیں۔ بچے نے ان کے خوف سے بالا خانے سے چھلانگ لگا دی۔ وہ بھی مر گیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں کو زندہ کر دیا۔

حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا اور بیماریوں کو شفا بخشنے کا ذکر کلام پاک میں ہے۔ اجابتِ دعا کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے اعزازِ اسلام کی خاطر حضرت عمرؓ یا ابو جہل کے لیے دعا فرمانا ہے۔ آپ ﷺ کی دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ غرض یہ کہ سیرت النبی ﷺ کا ہر واقعہ ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔

حضور پاک ﷺ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت ہے۔ آپ ﷺ کے ذہن پر عالمِ امر کی تجلیاں اترتی ہیں اور آپ ﷺ شعوری طور پر ہر دم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محوِ کلام ہیں اور کائنات کا لاشعور آپ ﷺ کا شعور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر فعل معجزے سے کم نہیں ہے اور آپ ﷺ کے اندر اللہ تعالیٰ کا ہر حکم کام کر رہا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذات سے تمام پیغمبروں کے معجزوں کا ظہور ہوا ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ معرفتِ ذات کے چالیس باب ہیں اور ہر باب ایک درجۂ نبوّت ہے۔ پیغمبروں کی تعلیم و تربیت نبوّت کے مختلف درجوں میں ہوئی ہے اور اسی اعتبار سے ان کے درجے مقرر ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۳ میں ارشادِ خداوندی ہے۔

ترجمہ: ''یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے فضیلت دی ہے بعض کو بعض پر۔ ان میں کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کئے ان میں سے بعض کے درجے۔''

ہر درجۂ نبوّت اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کے علوم ہیں۔ روح اللہ تعالیٰ کا ایک جز ہے۔ روح کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کام کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو ان کے علوم اسی قدر عطا کئے ہیں، جتنے اللہ نے روح کو دینا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو کس طرح اور کن طریقوں پر اس کے اندر موجود صفات کے علوم دیئے، یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اسرار ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو نبوّت کے درجوں میں عطا فرمائی ہے اور اسی تربیت کے مطابق پیغمبر ان دنیاؤں میں جا کر نوعِ انسانی کی اصلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔

کائنات کی وسعت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اس وسیع کائنات میں انسانوں اور جنوں کی بے شمار آبادیاں ہیں۔ پیغمبروں کا نزول صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کی مختلف دنیاؤں میں انہیں مبعوث کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور پاک ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جب آپ ﷺ دنیا میں موجود تھے، تب بھی آپ ﷺ کی رحمت سے دنیا کے علاوہ دوسرے عالمین محروم نہ تھے۔ آپ ﷺ کی رحمت تمام عالمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمام عالمین آپ ﷺ کی رحمت سے اسی طرح فیضیاب ہوتے ہیں جیسے دنیا والے۔

درجۂ نبوّت میں پیغمبر علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت محیط ہے۔ پیغمبر جب اس صفت کے دائرے میں اپنے کام کا ڈسپلے کرتے ہیں تو ان کا کام بھی سارے عالمین میں

ڈسپلے ہو جاتا ہے۔اس اعتبار سے ایک پیغمبر کا بیک وقت کائنات کے مختلف عالمین میں موجود ہونا سمجھ میں آتا ہے۔اس کی مثال ہم اولیاءاللہ کی کرامت سے دیتے ہیں۔

حضور پاک ﷺ کی امت کے کئی اولیاءاللہ کے واقعات میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ یہ اولیاء بیک وقت ایک سے زیادہ جگہ پر دیکھے گئے ہیں۔زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ناگپور کے بہت ہی مشہور ولی اللہ حضرت باباتاج الدین ناگپوریؒ جن کے وصال کو تقریباً ساٹھ سال کا عرصہ گزرا ہے اور آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں،ان کے متعلق بھی یہ بات کافی مشہور ہے کہ وہ کئی مرتبہ ایک سے زیادہ مقامات پر دیکھے جا چکے ہیں۔

اولیاءاللہ پیغمبروں کے نائب بن کر ان کے حکم کے دائرے میں اپنی صفات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔مگر پیغمبران علیہم السلام کا رابطہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔روح اللہ تعالیٰ کا ایک حصہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی تمام صفات روح کے اندر موجود ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے کہ وہ جز کو کل کے کتنے علوم عطا کرتا ہے۔روح اللہ تعالیٰ کے بحرِ وحدانیت کا ایک قطرہ ہے۔قطرہ جب سمندر سے جدا ہوتا ہے تو وہ ایک قطرے کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔اگرچہ قطرے کے اندر سمندر ہی کا پانی ہے اور جب یہ قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے تو سمندر کی حرکت قطرے کی حرکت بن جاتی ہے اور وہ خود سمندر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

یہی حال روح کا ہے۔وہ روحِ اعظم جس کی روشنی، جس کی رحمت، جس کا علم ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے،اس روحِ اعظم کو ایک فرد کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ ساری کائنات اس روحِ اعظم کی آغوشِ رحمت میں ہے۔ساری کائنات اس کا ملک ہے۔وہ اپنے ملک کی بادشاہ ہے۔جہاں چاہے سیر کرے اور جس لباس میں چاہے اپنے آپ کو خلق پر ظاہر کرے۔اس کا اصل مقام وہی ہے جس کا ادراک کل نے جز کو بخشا ہے اور یہ مقامِ محمود ہے۔

مقامِ محمود حضور پاک ﷺ کا مقام ہے۔ جس میں اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے درمیان کوئی راز نہیں ہے۔ گویا سمندر کی حرکت ہی قطرے کی حرکت ہے۔ وہاں لا کا سوال ہی نہیں ہے۔ سب کچھ اللہ ہے۔ لا ایسے انوار ہیں جو وحدانیت کا تعارف کراتے ہیں۔ تعارف وہاں ہوتا ہے جہاں اجنبیت ہوتی ہے۔ محبوبیت کے درجے میں سوائے عشق کے اور کچھ نہیں ہوتا اور عشق وہ نظر ہے جو اللہ اپنے محبوب ﷺ کی جانب ڈالتا ہے۔ یہی نظر رنگ بن کر محبوبِ دوجہاں ﷺ کی رگِ جاں سے نکل کر سارے عالمین میں بکھر جاتی ہے۔

رنگ و بو کا یہ عالم عشقِ حقیقی کی کتنی داستانیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔ کبھی کسی لمحے کا ادراک کسی کے ذہن کے پردے پر ماضی کے سرگم چھیڑ دیتا ہے اور انسان کا شعور وقت کی لہروں میں بہتا ہوا اس ازلی لمحے میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر شے کا منبعِ حقیقی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کوئی نہیں۔ اس کا تفکر کائنات کے ذرے ذرے میں نت نئے رنگ بھر رہا ہے اور اسی کی نظر ان رنگوں کو جمالِ حسن سے آراستہ کر رہی ہے۔ اس کی ممتا سے بھری آغوش اپنے نادانوں کو اپنی گود میں سمیٹ لیتی ہے۔

ہر قوم کے لیے اپنے پیغمبر کا عشق اللہ تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ جب کوئی بندہ اپنے پیغمبروں سے محبت رکھتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو وہ پیغمبروں کی محبت کی وجہ سے ان کی فکر سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح پیغمبر اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں، اس عشق کا پرتو بندے کے اوپر پڑتا ہے۔ عشقِ حقیقی وحدانیت کے سمندر کی ایک موج ہے۔

یہ موج آہستہ آہستہ اسے پھر دوبارہ وحدانیت کے سمندر کی جانب دھکیلتی ہے۔ جب تک خود موج عشق نہیں بن جاتی سمندر اسے اپنی آغوش میں نہیں لیتا۔ موج میں موج ملنا ضروری ہے تاکہ دوئی کی بو نہ رہے۔ جب تک انسان اپنی ذات کی نفی نہیں کرتا وہ وحدانیت کا سراغ نہیں پا سکتا۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کے دریائے وحدانیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ عشق کی کشش دریا کی تہہ سے شے کو باہر نکال دیتی ہے اور ہر شے دریا سے بچھڑ کر دریا سے ملنے کی جستجو میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔

تب دریا کے خواص اس پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اور شے کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کی اپنی ذات کا انحصار دریا پر ہے۔ دریا سے بچھڑ کر اس کی حقیقت ایک ماہیِ بے آب سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ پانی سے دور مچھلی آخر کب تک زندہ رہ سکتی ہے۔ پس وہ اپنی نیستی سے ذاتِ حق کی ہستی کو پہچانتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام دریائے عشق کی ایک موج ہیں۔

جب تک بندہ اس موج میں اپنے آپ کو ڈبو نہیں لیتا وہ سمندر میں نہیں داخل ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے رسول نہ بھیجے ہوں۔ ہر قوم کے لیے ایک رہبر، ایک ہادی آچکا ہے جو اسے قدم قدم چلا کر اپنے رب سے قریب کرتا ہے۔ پیغمبروں کا تفکر خود ایک معجزہ ہے جس کی روشنی مبارک دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ ہزاروں اور سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اس روشنی میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

جب بھی کوئی فرد سچے دل سے اور راست نیتی کے ساتھ اس نور کی طرف راغب ہوتا ہے، اس کا رابطہ اس کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور ان کے تفکر کی روشنی بندے کی فکر کے ساتھ مل کر اس کی حاجت پوری کرنے کا سامان کر دیتی ہے۔ اس میں پیغمبروں کی قبروں اور ان کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ تابوتِ سکینہ کے متعلق سورۃ بقرہ کی آیت ۲۴۸ میں ہے۔

ترجمہ: ''اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق۔ اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے۔ اور بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰؑ اور اولادِ ہارونؑ۔ اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو۔''

آج تقریباً ہر مسلمان اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ حضور پاک ﷺ کے روضۂ مبارک پر حاضری دینے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگ بصد احترام و عقیدت آپ ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سکون و تسلی حاصل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی ہر شے کے اندر پیغمبر کا تفکر کام کر رہا ہے۔

جب کوئی بندہ پیغمبر کی چھوڑی ہوئی کسی شے کی زیارت کرتا ہے یاان کے روضۂ مبارک پر حاضری دیتا ہے تودراصل شے کے باطن میں کام کرنے والی روشنیوں سے اس کارابطہ قائم ہو جاتاہے۔ شعورایک خلاء ہے۔اس خلاء کے اندر لاشعور کی روشنیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ جن کی انرجی سے شعور کام کرتاہے۔انسان کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے ارادے سے شعور کے اندر روشنیاں ذخیرہ کر سکتاہے۔ چنانچہ جب پیغمبروں کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتاہے تولاشعور کارابطہ پیغمبر کے ساتھ قائم ہو جاتاہے اور لاشعور کی روشنیاں شعور میں آتی ہیں۔

جس پر شعور حرکت کرتاہے تولاشعور کے ذریعے پیغمبر کی روشنیاں شعور کی حرکت بن جاتی ہیں اور اس کی ضرورت کے سامان پیدا کرتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتاہے کہ پیغمبروں کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کے نور سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا رہتاہے اور پیغمبران علیہم السلام عالمِ امر کا ایک ستارہ یاچاند یاسورج ہیں کہ جس کی روشنی امرِ ربی کوزندگی کی انرجی بخشتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو چاند، سورج اور ستارہ کہاہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ (حصہ سوم)

حضور پاک ﷺ کے اوپر نبوّت ختم ہو جاتی ہے اور آپ ﷺ کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ آسمانی کتابوں کی شکل میں علم کا ایک مکمل نصاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ہمیں اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ پیغمبران علیہم السلام جس مشن کو لے کر بھیجے گئے تھے نوعِ انسانی اس مشن کی کامیابی میں کس حد تک معاون ثابت ہوتی ہے اور اس مشن کو جاری رکھنے کے لیے کیا اقدام کرتی ہے۔ اس کے لیے ایک بار پھر ہمیں موجودہ دنیا کے آغاز سے چلنا ہو گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب کہ دنیا از سرِ نو آباد کی گئی اور موجودہ دنیا چونکہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی بسائی ہوئی ہے، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

ساری دنیا کی تباہی اور معاشرتی وسائل کی بربادی کے باوجود نسلِ انسانی کثرت و نمود کی جانب بڑھتی رہی۔ پیغمبروں کے واقعات اور قوموں کے عروج و زوال کے قصے پڑھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نسلِ انسانی کی بقا اور شعور کی نشوونما کے لیے مخصوص طرزِ فکر کا ہونا ضروری ہے۔ یہ مخصوص طرزِ فکر وہی ہے جس سے دنیا کا آغاز کیا جاتا ہے۔ کلام پاک میں دنیا کے آغاز میں دو ہستیوں کے نام دیئے گئے ہیں۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے حضرت نوح علیہ السلام۔

یہ دونوں ہستیاں اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے و پیغمبر تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی طرزِ فکر وہ روشنی ہے جس کے اندر نسلِ انسانی کی بقا اور شعور کی نشوونما کا راز پوشیدہ ہے۔ انبیاء کی طرزِ فکر وحدانیت پر ایمان لانا ہے اور اپنی طرف آنے والی ہر شے کے خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جاننا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب بندہ وحی کی طرزوں سے آشنا ہو۔ اور وحی کے ذریعے اس کا تعلق نقطۂ توحید کے ساتھ ہر دم وابستہ ہو۔

ہر پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوتی تھی اور ان کے سب کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے تھے۔ آج پیغمبروں کی طرزِ فکر، ان کے معجزے، ان کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے نقطۂ نظر کو اپنایا جائے۔ اور نقطۂ توحید کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جائے۔ نقطۂ توحید ذات کا وہ نقطہ ہے جو نوعِ انسانی کی تخلیق کا منتہا ہے اور نوعِ انسانی کی تخلیق کا مقصد ایک ہی ہو سکتا ہے۔ صفتِ وحدانیت ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔

بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے اسی صفت کے ذریعے ہے۔ یہ تجلی ذات کا عالم ہے۔ جس کا ہر ذرہ ذات کا ایک عکس ہے۔ انسان کے تمام شعور اور تمام حواس اس عالم میں گم ہو جاتے ہیں اور ذات کی فکر اپنے منتہا پر پہنچ کر جمالِ حق سے ہم آغوش ہو جاتی ہے۔ تب عکس فنا ہو کر صرف ذاتِ حق باقی رہ جاتی ہے اور یہی وہ نقطۂ توحید ہے جس کے ساتھ پیغمبروں کا وحی کے ذریعے رابطہ قائم رہتا ہے۔ وحی تجلی کا شعور ہے۔ انسان کے اندر ضمیر کے مقام پر یہ حواس پائے جاتے ہیں۔

ضمیر کی آواز حق کی آواز ہے۔ جو شعور کی انرجی ہے۔ صرف یہی وہ روشنیاں ہیں جو انسان کی بقا کو قائم رکھنے والی ہیں۔ تجلی کا شعور روح کا شعور ہے اور تجلی ذات کا ایک جز ہے۔ روح تجلی کے اندر اپنی ذات کا شعور ہے۔ اس شعور کی بقا روحانی علوم کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور روحانی علوم وہ علوم ہیں جو انبیاء علیہم السلام دنیا میں لے کر آئے اور وہ نظامِ حکمت ہیں جن کی قرآن پاک میں وضاحت کی گئی ہے۔ دنیا میں نسلِ انسانی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے ہوتا ہے۔

جو توحید کی روشنی میں نسلِ انسانی کا بیج بوتا ہے۔ یہ بیج پھوٹ کر پودا بن جاتا ہے۔ جب بھی اس پودے کے مرجھانے کا احتمال ہوا، اس میں پیغمبروں کے ذریعے مزید روشنی ڈال دی گئی۔ یا پودے کو مٹا کر نیا پودا لگا دیا گیا۔ اب جب کہ یہ پودا درخت بن چکا ہے۔ اس کی بقا کے لیے ایک نظام مقرر کر دیا گیا تاکہ یہ خود اپنی توانائی مقررہ مقدار میں حاصل کرے۔ پیغمبروں کا تفکر زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ انسانی تخلیق کا مقصد

ایک ہی ہے۔ نوعِ انسانی کا منتہائے حیات ایک ہی ہے۔ سب کے سفر کا راستہ ایک ہی ہے۔ جو اس ڈگر سے ذرا سا بھی ہٹا وہ گم کردہ راہ ہو گیا اور قدرت اس کی طرف سے بے نیاز ہے۔

پیغمبروں کے معجزے تجلی کی روشنی ہیں۔ جس کے اندر ذات کی فکر کام کر رہی ہے۔ اس روشنی میں انسانی شعور بتدریج ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔ حضور پاک ﷺ کے بعد اب تک ذہنِ انسانی میں شعور تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ ہمارے سامنے ہے۔ تسخیرِ کائنات کے دروازے ہم پر کھول دیئے گئے ہیں۔ غیب کی وہ روشنیاں جن میں لاشعور کے خاکے تھے، آج مشاہدے میں آ چکے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مادی ترقی ہے۔ حالانکہ اگر یہ روحانیت سے رشتہ جوڑ لیں تو یہ ترقی اس سے کہیں تیز رفتاری کے ساتھ عمل میں آسکتی ہے۔

مادہ لاشعور کی مشین کا بنایا ہوا ہے۔ روح کی فکر کے خاکے جب مادے میں ڈھل جاتے ہیں تو آنکھ اسے دیکھتی ہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ جب وہ اپنی نعمتوں کے خزانوں کا منہ کھول دیتی ہے اور انسان پر تسخیرِ کائنات کے اسرار کھلنے لگتے ہیں۔ تب اگر وہ ذاتِ واحد کو چھوڑ کر دنیا کی طرف لگ جائے تو اسے توحید کے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک کی آخری سورتوں میں قیامت کا ذکر کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ قیامت سے ڈرانے کی وجہ یہی ہے کہ نوعِ انسانی اپنی طرزِ فکر کو درست رکھے۔

کائنات کی تعمیر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کام کر رہی ہے۔ صفتِ ربوبیت مخلوق کی پرورش اور پالنے کی ذمہ داریاں ہیں۔ یہ تمام تر خدمتِ خلق ہے اور باری تعالیٰ اپنی مخلوق کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ جو بندے اس کے کام میں اس کے شریک رہتے ہیں وہ انہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اپنی آغوش میں سمیٹتا ہے اور جب بندے نسلِ انسانی کو مٹانے اور اس کی مخلوق کے درپے آزار ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں اپنا دشمن جان کر نیست و نابود کر دیتا ہے۔

پیغمبروں کی زندگی اور ان کے کاموں کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک پختہ عہد ہے کہ وہ اس کی صفتِ ربوبیت کا مظہر بن کر اس کی مخلوق کی خدمت میں میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے دے گا اور اللہ کے دوستوں نے اپنی دوستی کا حق خوب نبھایا۔

اپنی جان، مال، آبرو، ہر شے اس کی راہ میں قربان کر دی۔ تب ہی اپنے نفس کی فنا کے بعد انہوں نے ذاتِ حق کے ساتھ بقا پائی اور ایک ایسی ابدی حیات انہیں مل گئی جس سے ان کی جان، مال، آبرو ہر شے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔

معجزوں کے ظہور میں قدرت کا جو قانون کار فرما ہے، اس کے اصول پیغمبروں کی سیرت میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ معجزے کا پہلا اصول توحیدِ ربانی پر یقینِ مستحکم ہے۔ دوسرا اصول وحی کے ذریعے ذاتِ حق کے ساتھ رابطہ قائم ہونا ہے۔ تیسرا اصول وحی کی طرزوں کو سمجھنا ہے۔ جس کو کلام پاک کی زبان میں ''شرحِ صدر'' کہا گیا ہے۔ چوتھا اصول اپنی ذات سے فنا اور حق سے باقی رہنا ہے تاکہ احکامِ الٰہی کی تجلی روح کے تمام لطائف سے گزر کر لطیفۂ نفسی کی حرکت بن جائے اور نفس کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت بن جائے۔

روح کو اللہ تعالیٰ نے امرِ ربی کہا ہے۔ روح کی حیات اللہ تعالیٰ کے امر کی تجلی ہے۔ یہ تجلی روح کی رگِ جاں سے گزرتی ہے۔ روح کے چھ مراکز ہیں۔ جہاں امرِ ربی کی تجلی کا نزول اور اس کی حرکت کا ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ تصوّف میں انہیں روح کے لطائف کہا جاتا ہے۔ جن کے نام اخفیٰ، خفی، سر، روح، قلب اور نفس ہیں۔ امرِ ربی کی ہر تجلی کا نزول اخفیٰ میں ہوتا ہے اور پھر یہ روشنی تمام لطائف سے گزر کر نفس میں آکر حرکت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

معجزے کا قانون یہ ہے کہ امرِ الٰہی کی تجلی کو اپنے ارادے سے حرکت میں لانا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بندے کے ارادے کی حرکت کی اسپیڈ بھی اللہ تعالیٰ کے امر کی اسپیڈ کے مساوی ہو۔ تب ہی بندے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور امر کے ساتھ حرکت کر سکتا ہے۔ گویا امرِ ربی کی تجلی کی اس رو کو جو نارمل شعور کی رفتار سے ہزاروں گنا زیادہ ہے، اس تجلی کو اپنے ارادے سے اپنی رگِ جاں سے کھینچ کر باہر نکالنا ہے۔ تجلی کی رو کی تیز رفتاری ہی اس کی قوت و حرکت کی ضامن ہے۔

جب ارادے اور تجلی کی رو کی رفتار ایک برابر ہو تب ہی ارادے کے پردے پر اس کا ڈسپلے تجلی کی قوت و حرکت کا فعل گنا جائے گا اور نارمل شعور سے ہٹ کر ہو گا۔ پس معجزے کا بھی یہی قانون ہے اور اس کو روح پھونکنے کا عمل بھی کہا گیا ہے۔ روح امرِ ربی ہے اور روح کے لطیفۂ

اخفیٰ میں اللہ تعالیٰ کے امر کا مکمل ریکارڈ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علمِ کائنات کی فلم ہے۔اس کی ہر تجلی کائنات کی روح ہے۔اسی کو فارمولوں کے علوم بھی کہتے ہیں۔

اس روح کو اپنی رگِ جاں سے کھینچ کر اپنے ارادے کی روشنی سے حرکت میں لانا روح پھونکنے کا عمل ہے جس کے علوم پیغمبروں کو عطا کئے گئے ہیں۔امتِ محمدی ﷺ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو پیغمبروں کی وساطت سے ان کے علوم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جسے کرامت کہتے ہیں۔ کرامت معجزے کی ذیلی صورت ہے۔ دونوں میں ایک ہی قانونِ فطرت کام کر رہا ہے۔ معجزے یا کرامت کو ہم اللہ تعالیٰ کے علم کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ علم ہی اپنے خدوخال اور شکل وصورت کے ساتھ سامنے آجاتا ہے اور مشاہدے کے بعد پھر علم کے خانے میں جا گزیں ہو جاتا ہے۔

علم کا یہی خانہ انسان کا حافظہ یا اخفیٰ ہے۔ جہاں ازل سے ابد تک ہر شے علمِ کائنات کی صورت میں محفوظ ہے۔ یہاں سے علمِ حضوری کی داغ بیل پڑتی ہے۔ علمِ حضوری کو روحانی علوم یا علمِ لدُنّی بھی کہتے ہیں۔ یہ علم کو حاصل کرنے کا براہِ راست طریقہ ہے۔ جو روح پھونکنے کے عمل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ علمِ حضوری سیکھنے کا یہ طریقہ ازل سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جو ایک امی کو کائناتِ عالم کا سب سے بڑا عالم بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے سینے میں اپنے علم کی روح پھونکی ہے۔اور آدم علیہ السلام کے ذریعے اس علم کی اشاعت کا نظام تمام عالمین میں جاری ہے۔ علمِ حضوری سیکھنے کے لیے ہی روحانی سلسلوں کی داغ بیل پڑی ہے۔ایک روحانی مرشد کا یہ عمل بھی کسی کرامت سے کم نہیں ہے کہ وہ اپنی روح کے اندر سے علم کی روشنیاں کھینچ کر اپنے مرید کے لطائف میں بھرتا ہے۔ علم کی روشنی روح کی حیات ہے۔ گویا مرشد اپنی رگِ جاں سے حیات کی توانائی نکال کر اپنے مرید کی مردہ روح کو زندگی بخشتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی جاں بہ لب شخص کے اندر اپنا خون ڈال کر اسے پھر دوبارہ زندگی کی لذتوں سے ہمکنار کر دیا جائے۔

تمام پیغمبروں کا دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے علوم کی روشنیوں سے لوگوں کی مردہ روحوں کو زندگی بخشنا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی ہدایتوں کو مان کر ان پر عمل کیا وہ درجات میں تمام ولیوں سے بڑھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حواری کہلائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی برات قبول کی گئی اور براہِ راست پیغمبروں کے ذریعے انہیں علوم حاصل ہوئے۔ کیا یہ تمام پیغمبروں کا مشترک معجزہ نہیں ہے کہ ان کی قوم کو ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے علوم پہنچائے گئے۔

آج جب کہ دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکار بستے ہیں، ان سب کا ایک جھنڈے تلے آنا ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر روحانیت جو حقیقت ہے یہ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ روح تو ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔ بغیر روح کے کسی ذرے کے وجود کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ نسلِ انسانی اپنے اپنے پیغمبروں سے عشق کے درجے میں محبت کرے اور ان کی روح سے رابطہ قائم کرے اور ان کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرے تو سب کی منزل ایک ہی ہو جائے گی۔

کیونکہ ہر پیغمبر حق تعالیٰ کا دوست اور حبیب ہے۔ دوست کے ذریعے سے ہی دوست تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور روح کے ذریعے سے ہی روح تک رسائی ممکن ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور امر اللہ تعالیٰ کا ایک جز ہے۔ پس روحانیت کی سیڑھی کے سوا اور کوئی زینہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نہیں ہے۔

جب لوگ جسمِ حیوانی کی زندگی اور اس کی توانائی پر اپنی تمام قوتیں خرچ کر دیتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جسمِ حیوانی کی زندگی بھی روح کی حیات کے ساتھ ہے۔ کیونکہ روح کے تمام لطائف ہی انسان کی ہر ایک زندگی کا شعور ہے۔ اپنی روح سے غفلت برتنے والے خود اپنی حیات سے رشتہ توڑتے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

مادی ترقی کے اس دور میں علم کا حصول آسان کر دیا گیا ہے۔ حصولِ علم کے لیے ایک کارآمد نصاب اور ایسے مشاہداتی تجربات سامنے آ چکے ہیں جو روحانیت سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس راستے کا سراغ دکھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں غور و فکر کرنے

سے باطن کے دروازے کھلتے ہیں اور شے کے حقائق سامنے آتے ہیں۔ تعجب اس بات کا ہے کہ حصولِ علم کی اس قدر آسانی کے باوجود بھی دن بدن لوگوں کی اخلاقی حالت تباہ ہوتی چلی جارہی ہے۔

یہ اپاہج معاشرہ کوڑھی اور برص زدہ لوگوں کو جنم دے رہا ہے اور راہِ حق سے بھٹکی ہوئی روحوں کے لیے مشعلِ حق کی ضرورت ہے تاکہ دلوں کو یہ یقین آجائے کہ حق آچکا ہے اور باطل تو ختم ہونے کے لیے ہی ہے۔ آج کے بڑوں کو خود ذاتِ حق سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی اولاد کی نشوونما اور پرورش کے لیے صحت مند فضا مہیا کر سکیں۔ ورنہ جیسے جیسے دنیا کا روحانی اقتدار دم توڑتا چلا جائے گا، مادیت کا عروج فنائیت کی طرف تنزل کرتا چلا جائے گا۔

یہاں تک کہ دنیا کی روح دم توڑ دے گی۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نیابت و خلافت کو حاصل کرنا ہے۔ جب انسان باوجود اس کے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانیاں آچکی ہیں، اپنے آپ کو کسی طرح اس ذمہ داری کے اٹھانے کا اہل ثابت نہ کر سکے تو ایسے انسانوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ وہ اندھے ہوں یا لنگڑے ہوں، ان کے ذہن ٹھیک کام کریں یا نہ کریں انہیں قدرت ان کے حال پر چھوڑ دیتی ہے۔ یہ جان لینا ضروری ہے۔

روح اللہ تعالیٰ کا ایک جز ہے اور اس جز کو کبھی فنا نہیں۔ موت اور قیامت اس شعور کی ہے جو روح کے اندر کام کرتا ہے۔ اشرف المخلوقات کے اعزاز سے معزولی ہی انسانی شعور کے لیے قیامتِ عظمیٰ ہے۔ جس کا صدمہ انسان کی برداشت سے باہر ہوگا اور اس کے انسانی حواس مسلسل اس جانکنی کو برداشت کرتے کرتے معطل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قیامت ظاہری دنیا کی تباہی و بربادی سے کہیں زیادہ ہے۔

کیونکہ اس سے انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار قسمیں کھا کھا کر انسان کی توجہ اپنے کلام کی گہرائیوں میں جھانکنے کی طرف دلائی ہے کہ اس کے حقائق سے تمام نوعِ انسانی غافل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کائنات کی کسی شے کو عبث نہیں بنایا ہے۔

یعنی کائناتِ عالم کا ہر جزاور ہر ذرہ اور ہر فرد کسی نہ کسی خاص کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس کام کا اہل اپنے آپ کو ثابت نہ کر سکے تو قدرت کے لیے وہ ناکارہ ہے۔ پھر قدرت کی حدود میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ قدرت اپنی حدود میں کسی قسم کی نافرمانیوں کو قبول نہیں کرتی۔ آج ہر زمانے سے زیادہ نسلِ انسانی کو اپنی بقا کے لیے اس نظامِ توحید کی ضرورت ہے۔ جس کے اصول قرآنی صفحات میں ملتے ہیں۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ کتنی روحیں سکون کی تلاش میں بھٹکتی پھریں گی اور کتنے انسان خود انسان کی تخریب کاریوں سے گھبرا کر غاروں میں چھپتے پھریں گے۔ آج ہمارے نصاب میں روحانیت کی ضرورت ہے تاکہ پریشان ذہن ایک مرکزیت پر اکٹھے ہو جائیں۔

روحانیت کے سوااور کوئی ذریعۂ تعلیم نہیں جس کے ذریعے انسان پر خود اپنی ذات کی حقیقت آشکار ہو۔ روحانیت یعنی علمِ حضوری کے ذریعے جب اپنی روح سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو انسان یہ جان لیتا ہے کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور اس کی منزل کیا ہے؟ یعنی علمِ حضوری کے ذریعے ازل سے لے کر ابد تک کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ ازل اور ابد اللہ تعالیٰ کا دائرۂ کن ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو ساری کائنات وجود میں آگئی یعنی روحیں وجود میں آگئیں۔ وجود میں آنے کے بعد انسانی روح دس زندگیاں گزارتی ہے۔

۱۔ عالمِ ارواح: یہ وہ مقام ہے جہاں روحیں موجود ہیں۔

۲۔ مقامِ برزخ: جب شکمِ مادر میں آنے کے لیے روح نیچے اترتی ہے۔

۳۔ عالمِ ناسوت: موجودہ دنیا جہاں پیدائش کے بعد روح جسمانی طور پر دنیاوی شعور کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔

۴۔ عالمِ اعراف: مرنے کے بعد کا عالم۔

۵۔ عالمِ نفخِ صور: اعراف کے بعد جہاں روحیں منتقل ہوتی ہیں۔

۶۔عالمِ حشر نشر: نفخِ صور کے بعد جب انسان جسمانی حالت میں اُٹھے گا۔اسی کو قیامت کا دن کہا گیا ہے۔

۷۔عالمِ یوم الحساب: جب اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے۔

۸۔جنت و دوزخ: حساب کتاب کے نتیجے میں بندہ یا تو جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔

۹۔ابد: کن کے بعد کا مقام جہاں کائنات تخلیق کے بعد موجود تھی۔

۱۰۔ابدالآباد: وہ مقام جہاں کن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات کی تصویر تھی۔

ان تمام زندگیوں میں روح کے مختلف حواس کام کرتے ہیں۔حواس کی منتقلی کا نام ہی موت ہے۔موجودہ دنیا میں حواس فرد کے اندر محدود رہ کر کام کرتے ہیں۔جو دو رخوں میں کام کرتے ہیں۔ایک کو خیر کہا گیا ہے۔دوسرے کو شر کہا گیا ہے۔دونوں طرح کے اعمال حواس کے اندر ریکارڈ ہوتے رہتے ہیں۔

جب انسان اس دنیا سے انتقال کر جاتا ہے تو دنیاوی حواس مغلوب ہو جاتے ہیں اور قلب کے حواس غالب آ جاتے ہیں۔قلب کے حواس جسمِ مثالی کے حواس ہیں۔جو نیند کی حالت میں خواب میں غالب آ جاتے ہیں۔اس وقت دنیا کی زندگی کا تمام ریکارڈ نظر کے سامنے آ جاتا ہے اور انسان دیکھ لیتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں جن کاموں کی صلاحیت اس کے اندر رکھی گئی تھی،اس نے کس حد تک ان صلاحیتوں کے ساتھ کام لیا ہے۔اعراف کی زندگی میں خواب کے حواس غالب آ جائیں گے تو خواب کی دنیا ہماری شعوری زندگی ہو گی اور پھر عالمِ حشر نشر میں جب انسان جسمانی حالت میں اٹھے گا تو روح کے حواس تمام حواس پر غالب آ جائیں گے۔

روح کے حواس کو ضمیر کے مقام پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔اس وقت انسان کی نظر کے سامنے اعمال کے دونوں ریکارڈ آ جائیں گے۔انسان یہ بھی جان لے گا کہ اس کے اندر کون کون سی صلاحیتیں کام کر رہی ہیں اور یہ بھی دیکھ لے گا کہ اس کی کون کون سی صلاحیتیں کام نہیں کر

رہیں۔عالمِ یوم الحساب میں روح کے اندر جو جو صلاحیتیں کام نہیں کر رہیں،ان کے تقاضوں کا ریکارڈ مٹا دیا جائے گا اور صرف ان صلاحیتوں کا ریکارڈ باقی رہے گا جن سے روح کام لیتی ہے اور جن کے تقاضے روح کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

عالمِ حشر نشر یا قیامت اور عالمِ یوم الحساب سے انسان کو خبر دار کرنے اور ڈرانے کا مدعا یہی ہے کہ اپنے ارادے سے روح کی صلاحیتیں بیدار کی جائیں۔روح کی صلاحیتیں ہمارے مخفی حواس ہیں۔ جیسے جیسے ہم ان مخفی حواس کو بیدار کرتے جاتے ہیں، ہمارے اندر مختلف قسم کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ تقاضا علم ہے اور یہ روشنی جو شعور میں آتی ہے، عمل یا حرکت بن جاتی ہے۔انسان کے حواس اگر اعلیٰ کردار میں کام کرتے ہیں تو ان تقاضوں کا عمل حواس کی اعلیٰ سطحوں پر ریکارڈ ہوتا ہے۔

جس کو کلام پاک میں اعلیٰ علیین کہا گیا ہے۔اگر حواس کے ان تقاضوں کا مظاہرہ شعور کی نچلی سطحوں میں کام کرتا ہے تو اس کا ریکارڈ اسفل میں ہوتا ہے۔اگر انسان کے مسلسل حواس کسی ایک ہی رخ پر کام کئے جائیں تو اس کے ذہن کا ایک پیٹرن بن جاتا ہے۔اگر حواس اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتے رہیں تو انسان کے اندر وہ صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں جو انسان کے اندر غلط قسم کے تقاضے پیدا کرتی ہیں۔اس طرح اگر مستقل طور پر غلط اعمال اور حرکات کرتا رہے تو وہ صلاحیتیں جو اعلیٰ علیین کے تقاضے پیدا کرتی ہیں، وہ تمام صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ پھر ہمیشہ کے لیے انسان کے وہ حواس جو ان عالمین میں کام کرتے ہیں، ختم ہو جاتے ہیں۔

پھر انسان کبھی بھی ان عالمین کے اندر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے۔یہ قرآن پاک کا کمال ہے کہ اس کے ذریعے سے نوعِ انسانی کو عمل کی ایسی راہیں مل جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں۔ جن کو اختیار کر کے وہ ہر رنج و غم سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔روح کے لیے وہ گھڑی قیامت ہے جس دم روح کی آنکھ کھل جائے گی۔

اس کے حواس بیدار ہو جائیں گے اور وہ اپنے آپ کو جان لے گی کہ میں کیا کیا کر سکتی ہوں؟ میں کہاں ہوں؟ میرا مقام، میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ انسان فطری طور پر راحت اور سکون کا متلاشی ہے۔حشر کے دن جب روح کا شعور غالب آئے گا تو یہ شعور ہمیشہ قائم رہے گا۔اس وقت اگر

انسان اپنے آپ کو اپنے اعمال کے ریکارڈ کی اسفل سطح میں پائے گا تو وہ یہ جان لے گا کہ وہ ابد تک کے لیے راحت و سکون سے دور ہو گیا جو اللہ کے سوا اور کہیں نہیں ہے۔

حواس کا اعلیٰ کردار فرشتوں کا تفکر ہے۔ جو پاکی اور تقدس پیدا کرتا ہے اور حواس کی سب سے نچلی سطح ابلیس کا تفکر ہے۔ جو انسان کو حیوان کے درجے میں کھڑا کر دیتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے اپنی امت کو روح کے ان علوم سے متعارف کرایا ہے جو علوم آپ ﷺ سے پہلے پیغمبروں نے لوگوں پر عام نہیں کئے تھے۔ یہ علوم ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت ہیں۔ جو نبوّت کے علوم ہیں۔ اعلیٰ علیین نبوّت کے درجات کے حواس ہیں۔ پیغمبروں میں یہ علوم علمِ نبوّت کہلاتے ہیں اور اولیاء اللہ کو جب یہ علوم حاصل ہوتے ہیں تو انہیں علومِ لدُنّی کہا جاتا ہے۔

علومِ لدُنّی کا شعور حواس کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ یہ حضور پاک ﷺ کی رحمت اور آپ ﷺ کی برکتِ خاص ہے کہ انسان کے اوپر ان علوم کے دروازے کھل چکے ہیں۔ قرآنِ پاک کی صورت میں حضور پاک ﷺ ہمارے لیے تمام عالمین کی کنجیاں چھوڑ گئے ہیں۔ جس بندے کی نظر قرآنِ پاک کے الفاظ کے باطن میں اللہ کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتی ہے، وہ بندہ علم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت کو پالیتا ہے اور مرنے کے بعد وہ اپنے حواس اور روح کے شعور کے ساتھ ان عالمین کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے مخصوص کی ہیں۔

ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔ جس کا اللہ پاک نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ حضور پاک ﷺ کا سب سے عظیم ترین معجزہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکتوں سے آپ ﷺ کے خادموں کے اندر اللہ تعالیٰ کی نظر و بینائی منتقل ہو جاتی ہے اور یہ نظر کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ کی تجلیوں اور اس کی صفات کے رنگوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ بندہ اللہ کی نظر سے اللہ کو دیکھتا ہے۔ اور اللہ کے تفکر سے اللہ کو پہچانتا ہے۔ اللہ کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے۔

بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بینائی سے دیکھتا ہے تو اس کی نظر بھی صفتِ محیط کے دائرے میں کام کرتی ہے اور بندہ اس دائرے میں اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات کو دیکھتا ہے اور اس کے علوم حاصل کرتا ہے۔ وہ کائنات کی ہر شے کو اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ دیکھتا ہے۔ خواہ وہ ماضی کے گزرے واقعات ہوں یا مستقبل میں آنے والے حالات ہوں۔ ہزاروں لاکھوں سال کا زمانہ سمٹ کر اللہ تعالیٰ کے علم کا ایک نقطہ بن جاتا ہے۔

جب نظر اس نقطے کی گہرائی میں کام کرتی ہے تو ایک لمحہ ساری کائنات کو محیط ہو جاتا ہے۔ یہی ایک لمحہ حقیقتِ محمدی ﷺ کی تفسیر ہے اور اسی نقطے میں ازل سے ابد تک ساری کائنات بند ہے۔ خود حضور پاک ﷺ کی ذاتِ پاک ایک ایسا معجزہ ہے جس کے اندر نظرِ خداوندی ساری کائنات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہی نظر انسان کی معراج ہے اور اس کو حاصل کر لینا انسانیت کا کمال ہے۔ جس کا دروازہ عشقِ حقیقی کا باب ہے۔
حضرت سرمد شہیدؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

سرمد غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند

سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار

ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

معراج النبی ﷺ

واقعۂ معراج کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور امتِ محمدی کے تقریباً ہر خاص و عام اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ معراج کا واقعہ حضور پاک ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس واقعہ کی اطلاع ہمیں دی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا دیکھنے والا۔''

واقعۂ معراج کی تشریح ہم روحانی واردات کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو مقامِ محمود پر پہنچانے کی بشارت اپنے کلام کے ذریعے دی ہے۔

آیت ۷۹ سورۂ بنی اسرائیل پارہ ۱۵

ترجمہ: بھیجے تجھے تیرا پروردگار مقامِ محمود پر۔

مقامِ محمود عرش کی انتہائی بلندی کا نام ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے علوم اس حد تک عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی تجلیاں تین حجابات سے گزر کر کائنات کی حدود میں داخل ہوتی ہیں۔

۱۔ حجابِ محمود ۲۔ حجابِ کبریا ۳۔ حجابِ عظمت

یہ تینوں حجابات روحِ محمدی ﷺ کے تین پرت یا تین دائرے ہیں۔ حجابِ محمود روحِ اعظم کا پرت ہے اور لطیفۂ اخفیٰ اور خفی کا دائرہ ہے۔ حجابِ کبریا روحِ انسانی کا پرت ہے اور لطیفۂ سرّ اور روح کا دائرہ ہے۔ حجابِ عظمت روحِ حیوانی کا پرت ہے اور لطیفۂ قلب اور نفس کا دائرہ ہے۔ یہ تینوں حجابات اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز، حکمت و مشیت کے پردے ہیں۔ جہاں پہنچ کر روح پر اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی فضیلتیں کھلتی ہیں اور اپنی ذات سے خود آگاہی نصیب ہوتی ہے۔

انسان کے لطائفِ ستّہ روح کی وہ مرکزیتیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی نظر کی روشنی ذخیرہ ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان کو ایسے حواس مل جاتے ہیں جن کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے علوم کو ان حجابات کی بلندیوں تک سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جو صفات ان مقامات پر کام کر رہی ہیں ان کے انوار کے علوم اپنے حواس کے ذریعے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تمام علوم کا مخزن نظر یا نگاہ ہے۔ نگاہ ہی علم ہے۔ نگاہ کی روشنی کا تنزل انسان کے اندر شے کا ادراک اور احساس و فہم پیدا کرتا ہے۔

کسی بھی شے کا مشاہدہ کرنے سے اس شے کا مکمل علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی تجلی روح کے ان تینوں دائروں سے گزر کر خلق کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ تجلی اللہ تعالیٰ کی نظر بن کر خلق کے اندر بینائی کا کام کرتی ہے۔ خلقِ خدا نگاہ کے ذریعے بصیرت اور بینائی حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نظر سے اور عطا کردہ بصیرت و تفکر کے ساتھ عالمِ ہستی میں پھیلی ہوئی فطرت کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ عالمِ خلق نگاہ کی روشنی کا انتہائی تنزل ہے۔

اس تنزل کے بعد نگاہ پھر عرش کی جانب سفر کرتی ہے اور روح کی مرکزیتوں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کے حجابات کے پردے چاک کرتے ہوئے عرش کی انتہائی بلندیوں میں لوٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا اللہ ہی کا ہے۔ انسان اللہ ہی کی بصارت اور سماعت سے کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی ہر تجلی اپنے ہر تنزل پر اللہ تعالیٰ کے علم کی شعاعوں کو یکجا کرتی ہے اور عالمِ خلق میں آ کر ان شعاعوں کا ڈسپلے کرتی

ہے۔ عالمِ خلق میں آکر امرِ الٰہی کی تجلی ایک انفرادی ذات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور مخلوق کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور مخلوق عالمِ خلق میں اپنے ظاہری و باطنی حواس کے ساتھ قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے علوم علم الاسماء کی صورت میں بخشے ہیں۔ عالمِ خلق کی ہر شے اسمائے الٰہیہ کی روشنیوں کا ڈسپلے ہے۔ انسان کی نگاہ دنیا سے لے کر ابد تک اللہ تعالیٰ کی روشنیوں کے مظاہر دیکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ادراک و حواس کے ذریعے اپنے آپ کو ان کی تعلیم و تفہیم کا خوگر بناتی ہے۔

حجابِ محمود انسان کی تعلیم کی وہ معراج ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے انسان کو علوم عطا فرمائے ہیں اور انسانی حواس اس مقام تک کام کر سکتے ہیں۔ مقامِ محمود حضور پاک ﷺ کا وہ اعزاز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو اطلاع دی ہے۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم کی آخری حد ہے اور اسی آخری حد کو معراج کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اس مقام تک پہنچنے کا شرف عطا فرمایا۔ مقامِ محمود وہ مقام ہے جہاں پر کائنات کی بادشاہت کا تخت و تاج ہے اور یہ حضور پاک ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی اعزاز ہے۔

اللہ پاک نے نیابت، خلافت اور رسالت کے اختیارات سونپ کر اپنے محبوب ﷺ کے سر پر کائنات کی بادشاہت کا تاج رکھا ہے اور مقامِ محمود کے تختِ شاہی پر آپ ﷺ کو جلوہ گر فرمایا ہے۔ جہاں کائنات کی سلطنت کی باگ ڈور آپ ﷺ نے سنبھالی ہوئی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اللہ پاک کے ارادے میں ازل سے ہی حضور پاک ﷺ کو کائنات کی بادشاہت کا اعزاز بخشنا منظور تھا۔ کیونکہ کائنات کا تمام پروگرام اللہ تعالیٰ کے ارادے کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو باعثِ تخلیقِ کائنات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں کائنات کے پروگرام کے ساتھ اول سے لے کر آخر تک اور ظاہر سے لے کر باطن تک حضور پاک ﷺ کا تصور موجود تھا۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں جب کائنات کی ہستی صرف نورِ اول کی حیثیت سے موجود تھی، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضور پاک ﷺ کی شبیہ تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں کل کائنات ہی حضور پاک ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے۔ چنانچہ کائنات کے نورِ اول کی گہرائیوں میں نظر ہر تنزل پر اپنے نور کی شعاعوں کو یکجا کرتی ہے۔ ان شعاعوں سے اللہ تعالیٰ کے امر نے روحِ محمدی ﷺ کی تخلیق فرمائی۔ عالمِ خلق تک یہ تخلیقی مراحل لاشعوری حدود کے اندر ہیں۔

جب عالمِ خلق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے مبعوث فرمایا تو لاشعور کے تمام علومِ غیبیہ کا شعور پر منتقل کیا جانا ضروری تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ خود آگاہی کی منزلیں طے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ خلافت و نیابت و رسالت کے فرائض عملی طور پر انجام دے سکے اور شعوری طور پر کائنات کی سلطنت کی باگ ڈور اپنے دستِ مبارک میں لے سکے۔ اس مقصد کے تحت اللہ پاک نے حضور ﷺ کو شعوری طور پر معراج عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے شعوری حواس کو حجابِ محمود کی تعلیم و تفہیم کا خوگر بنایا تاکہ آپ اپنے شعوری حواس اور ادراک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے انوار و تجلیات کو دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں جو حجابِ محمود کے مقام پر عرش کی انتہائی بلندیوں میں کام کر رہی ہیں اور آپ ﷺ کا یہی سب سے عظیم معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کے سوا اور کوئی انسان یا کوئی پیغمبر بھی شعوری حواس اور شعوری نظر کے ساتھ حجابِ محمود کی انتہائی بلندیوں کو نہ پا سکا۔ معراج کے لفظی معنی ''انتہائی بلندی'' کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے شعوری حواس میں معراج شریف کو پالینے کا تذکرہ اپنے کلام مبارک میں فرمایا ہے۔

سپارہ ۲۷ سورۂ نجم آیت ۱۔۲

ترجمہ: قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اترا، تمہارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔

اس آیت میں اور اس سے آگے کی آیتوں میں اللہ پاک نے معراج کے واقعے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

سپارہ ۱۴ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۔ ۲

ترجمہ :طٰہٰ یعنی چودھویں کا چاند۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت کریں۔

سپارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۵، ۴۶

ترجمہ : اے نبی ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ہر وقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔

سورج، چاند اور ستارہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کی روح مبارک کے تین دائروں کے نام کی وضاحت کی ہے۔ سراجاً منیراً یعنی روشن کرنے والا سورج، حضور پاک ﷺ کی روحِ اعظم کا پرت ہے۔ جو لطیفۂ اخفیٰ اور خفی کا دائرہ ہے۔ کسی بھی انسان کے اندر یہ دائرہ ذہن کا وہ مقام ہے جو حافظہ کہلاتا ہے۔ چونکہ سورج پورے نظامِ شمسی کو روشنی بخشتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کے حافظے میں پوری لوحِ محفوظ یا کائنات کا مکمل علم بمعہ شکل و صورت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اللہ سمیع ہے اللہ بصیر ہے۔'' سماعت و بصارت اللہ ہی کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نظر کائنات کے ارادے سے حضور پاک ﷺ کی روح مبارک کے اس مقام کو دیکھتی ہے تو وہ اس دائرے کو سراجاً منیراً کی شکل میں دیکھتی ہے کہ روحِ محمدی ﷺ کا یہ دائرہ ایک ایسا روشن سورج ہے جو اپنی روشنی سے پوری کائنات کو منور کر رہا ہے۔ ذہنِ محمدی ﷺ کے سامنے حجابِ محمود کے تمام پردے چاک ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ذہن اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموزِ کائنات اور مشیتِ الٰہیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ چودھویں کا چاند، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا روحِ انسانی کا پرت ہے۔ جو لطیفۂ سری اور روح کا دائرہ ہے۔ اس مقام پر دل کی نگاہ اپنے خالق و مالک کے سراپائے حسن و جمال کو عشق کی نظر سے دیکھتی ہے۔ دل کی نظر اللہ تعالیٰ کے حجابِ کبریائی کے تمام اسرار و رموز جان لیتی ہے اور محبوبِ الٰہی ﷺ کا دل اللہ

تعالیٰ کے عشق کی تجلیات سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر حضور پاک ﷺ کے اس دائرے کو چودھویں کے چاند کی شکل میں دیکھتی ہے۔ تیسرا پرت روحِ حیوانی یا لطیفۂ قلب اور نفس کا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی نظر نجم یا ستارے کی شکل میں دیکھتی ہے۔

لطیفۂ قلب و نفس شعور کا دائرہ ہے۔ جس کا محل جسمانی آنکھ ہے۔ اس دائرے میں نظرِ محمدی ﷺ اپنے خالق و مالک کو پہچان لیتی ہے اور زبانِ خلق سے اس کی شہادت و گواہی دیتی ہے۔ شعور کی نظر اس مقام پر حجابِ عظمت کے تمام پردے چاک کر ڈالتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کی روح مبارک کے تینوں دائرے کائنات میں موجود تمام نظامِ شمسی کی اصل ہیں اور کل کائنات کو ان سے روشنی پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معراج شریف کے تذکرے میں حضور پاک ﷺ کو والنجم کہہ کر پکارا ہے۔

(آیت مذکورہ بالا) اور نجم حضور پاک ﷺ کا شعوری دائرہ ہے۔ جس کا محل جسمانی آنکھ ہے۔ چنانچہ اس آیت کی رو سے یہ ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ کو جسمانی طور پر معراج حاصل ہوئی تھی اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شعوری آنکھ اور شعوری حواس کے ذریعے مقام محمود کی بلندیوں میں اپنی قدرت کے عجائبات دکھلا دیئے۔ آپ ﷺ سے پہلے یا آپ ﷺ کے بعد کسی اور انسان یا ذی روح کو یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔

وادیٔ محمدی ﷺ

حضرت بایزید بسطامیؒ اپنی روحانی معراج کے واقعہ میں بیان فرماتے ہیں ''میں تیس ہزار برس تک وحدانیت کی فضا میں اُڑا اور تیس ہزار سال تک فضائے اُلوہیت میں پرواز کرتا رہا۔ تیس ہزار سال تک فضائے فردانیت کی سیر کی۔ جب نوے ہزار سال پورے ہوئے تو میں نے بایزید کو دیکھا تو مجھ پر ظاہر ہوا کہ جو کچھ میں نے معائنہ کیا وہ سب بایزید ہی کا معائنہ تھا۔ پھر میں نے چار ہزار درجے طے کئے اور اولیاءاللہ کا درجۂ کمال حاصل کیا۔ پھر میری روح نے جنت، دوزخ اور تمام ملکوت کی سیر کی اور جب ارواحِ انبیاء سے ملاقات ہوئی تو سلام علیک کہا۔ پھر جب میری روح حضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے سامنے پہنچی تو دیکھا کہ آگ کے سمندر میں ایک راہ ہے اور ہزاروں پردے نور کے درمیان میں حجاب کے ہیں۔ کسی طرح میری روح، روحِ حضرت محمد ﷺ کی زیارت نہ کر سکی اور شدید رُعب سے بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو دور ہی سے سلام کر کے شرف حاصل کیا۔ گو مجھے قربِ باری حاصل ہوا لیکن حضرت محبوبِ باری ﷺ تک رسائی نہ ہوئی اور اصل یہ ہے اللہ ہر شخص کے ساتھ اور قریب ہے۔ اسے ہر ایک اپنے حوصلہ کے موافق دیکھ سکتا ہے لیکن وادیٔ زیارتِ محمدی ﷺ میں اس وقت قدم رکھ سکتا ہے جب وادی لاالہ الااللہ کو طے کرے اور دراصل یہ دونوں وادیاں ایک ہی ہیں۔''(ازتذکرۃ الاولیاء)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کتاب فیوض الحرمین میں لکھا ہے ''میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کو سلام کیا اور کمال عاجزی سے آپ ﷺ کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور اپنی روح کو آپ ﷺ کی جانب متوجہ کیا۔ آپ ﷺ کے یہ انوار وہ تجلی ہیں جس سے تمام عالم بندھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ یہ تجلی آپ ﷺ کی روح مبارک میں داخل ہے۔ جن سے تمام عالم قائم ہے یہ تجلی حقیقتِ محمدیہ کی حقیقت ہے اور اسی سے ہر ایک قطب اور نبی متکلم کو حصہ ملا ہے۔''

روحانی معراج روح کی وہ اطلاعات ہیں جو لاشعور کے ذریعے شعور کو پہنچتی ہیں۔ لاشعوری دماغ کے اندر باطنی حواس کام کرتے ہیں۔ باطنی حواس روح کی ایسی صلاحیتیں ہیں جن صلاحیتوں کے ساتھ ہم ظاہری حواس کی حدود سے باہر کے عالمین کا مشاہدہ اور ادراک کر سکتے ہیں۔ حواس کے اِس رُخ میں ہر اطلاع روح کی جانب سے شعور کو براہِ راست ملتی ہے۔ روح کی ہر اطلاع نوری تمثلات ہیں۔ یہ نوری تمثلات غیب کی خبروں پر مشتمل ہیں۔ غیب کی ہر خبر لوحِ محفوظ کے خاکے یا تصاویر ہیں۔

رُوح جب لوحِ محفوظ پر نظر کرتی ہے تو نظر کی روشنی میں یہ خاکے منتقل ہو جاتے ہیں۔ روح کی نظر ان خاکوں کے ساتھ کائنات کے اندر جس جس اسپیس سے ٹکراتی ہے اس اسپیس میں ان خاکوں کا وجود کائنات کی اشیاء کے طور پر نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ روح کی نظر کائنات کے ان خاکوں کو دو رُخوں یا حواس کی دو اقسام کے ساتھ دیکھتی ہے۔ ایک رات کے حواس ہیں اور دوسرے بیداری کے حواس۔ رات کے حواس ٹائم اینڈ اسپیس کی حدود سے آزاد ہیں جب کہ بیداری کے حواس کا ایک دائرہ ہے۔

جس کے اندر حواس کی متعین مقداریں کام کرتی ہیں۔ یہی متعین مقداریں ٹائم یا وقت کی بنیاد ڈالتی ہیں۔ حواس کے یہی دائرے جب لوحِ محفوظ کے خاکوں کے اطراف میں جمع ہو جاتے ہیں تو لطافت کے اعتبار سے ان کے مراتب تجلی، نور، روشنی اور نسمہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور لوحِ محفوظ کے خاکے ان چاروں درجوں میں کائنات کا ڈسپلے کرتے ہیں۔ ظاہری حواس نسمہ کے حواس ہیں جن کے ذریعہ ہم مادّی دنیا کی ہر شے کو محسوس کرتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی تبدیلی کے علوم عطا فرمائے ہیں۔

وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے حواس کے دائروں کی مقداروں کو گھٹا بڑھا سکتا ہے۔ مقداروں کے گھٹنے بڑھنے سے حواس میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور بیداری کے حواس نیند کے حواس میں اور نیند کے حواس بیداری کے حواس میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ روحانی واردات و کیفیات رات کے حواس سے کائنات کا مشاہدہ کرنا ہے۔ رات کے حواس جب بیداری کے حواس پر پوری طرح غالب آ جاتے ہیں تو لاشعور کے خاکے ذہن سے نکل کر ارادے میں منتقل ہو جاتے ہیں اور قلب کی نظر اسے ذہن کے پردے میں دیکھ لیتی ہے۔

روحانی واردات میں وقت کا تعین زمانۂ غیب میں نگاہ کی روشنی کے تنزل اور صعود کی اسپیڈ کو ظاہر کرتا ہے۔ قلب کی یہ نگاہ ہمارے ذہن کی ایک فکر ہے۔ فکر جس رُخ میں کام کرتی ہے، دوسرے رُخ کو اس کی اطلاع بہم پہنچاتی ہے اور اس اطلاع میں وقت یا زمان کا تعین ذہن میں آ جاتا ہے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی واردات میں تیس ہزار سال تک پرواز کرنے کا ذکر ہے۔

وادی لاالہ الااللہ ربوبیت کی تجلیوں کا عالم ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے کائنات کے انتظامی امور کی جو تجلیاں نازل ہوتی ہیں ان تمام تجلیات کا مرکز یہ عالم ہے۔ ربوبیت کی ہر تجلی اسمائے الٰہیہ کی ہستیاں ہیں جو ذات کے جلوے ہیں۔ ذات کے یہ جلوے کائناتی امور کے ساتھ وادیٔ محمدی ﷺ میں جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ان جلوؤں کے نور کا ہجوم ہر وقت رہتا ہے۔ سورۂ النجم کے آغاز میں انہی جلوؤں کے انوار کا تذکرہ ہے اور حضور پاک ﷺ کے ان جلوؤں سے قابَ قوسین ہونے کا ذکر آیا ہے۔

حضور پاک ﷺ کی محبت کے ساتھ ان مقامات کا مشاہدہ قلب کی واردات و کیفیات میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقامات حضور پاک ﷺ کی معراج کی سیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی بندہ جب حضور پاک ﷺ کی محبت سے ان مقامات کی سیر کرتا ہے تو اسے اُس کی روحانی معراج کہا جاتا ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب سے جو بھی تجلی نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی صفتِ تدلّٰی کے تحت یہ تجلی اسمائے الٰہیہ کی تشکیل کرتی ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے حکم سے تجلی اسمائے الٰہیہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جو ذات کے جلوے ہیں۔ یہ جلوے تجلی کے جمال کی صورت ہیں۔ جو تجلی کی روشنی سے تشکیل پاتے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ ان جلوؤں سے ماوراء ہے۔ ان جلوؤں کے اطراف میں ان جلوؤں کے جمال کا نور گھیرے ہوئے ہے۔ اسمائے الٰہیہ کے ہر جلوے کے اطراف میں نور دائروں کی صورت میں موجود ہے اور ہر اسمائے الٰہیہ کے اطراف ایک لاکھ چوبیس ہزار دائرے نور کے ہیں جو لطافت میں صفتِ تدلّٰی کی نورانیت سے معمور ہیں۔

صفتِ تدلّی اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے اور اس ذات کا نظارہ کرنے والی نظر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیاں ذات سے نزول کر کے اسمائے الٰہیہ کی صورت میں نظرِ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ وہ مرکز جہاں تجلیوں کا نزول ہے حجابِ محمود کہلاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کی نگاہ حواس کے ایک لاکھ چوبیس ہزار دائرے طے کر کے حجابِ محمود کے پردے میں اپنے رب سے ملاقات کرتی ہے۔ اسی کو قرآن کی زبان میں قابَ قوسین ہونا کہا گیا ہے۔ حضور پاک ﷺ کی نگاہ کا ہر دائرہ کسی ایک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا دائرہ ہے۔ وادیٔ محمدی ﷺ کے ذاتی ادراک، مشاہدے اور علوم ہیں۔ یہ تمام علوم اسمائے الٰہیہ کی ہستیوں کے علوم ہیں۔ ذات لامحدود ہے۔ ذات کے جلوے بھی لامحدود ہیں اور ان جلوؤں کے علوم بھی لامحدود ہیں۔ درجۂ نبوّت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ہر درجۂ نبوّت میں پیغمبروں کی فکر کام کر رہی ہے۔ وادیٔ محمدی ﷺ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تجلیوں کا عکس ہے۔ ربوبیت کی تجلیوں کا عکس اسمائے الٰہیہ کے جلوؤں کی صورت میں حجابِ محمود کے پردے پر نزول کرتا ہے۔ نظرِ محمدی ﷺ ان جلوؤں کو ایک لاکھ چوبیس ہزار زاویۂ نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ہر زاویۂ نگاہ حواس کا ایک مکمل دائرہ ہے۔ اس طرح ہر زاویۂ نگاہ میں جلوہ بمقام مرکزیت سے پھیلتا ہوا ساری کائنات کو محیط ہو جاتا ہے اور نظر کائنات کے ذرّے ذرّے میں اس جلوے کا مشاہدہ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی روشنیاں ساری کائنات میں پھیل جاتی ہیں۔

ربوبیت کی تجلیاں ہی تمام کائنات کے نظام کو سنبھالنے والی ہیں۔ حجابِ محمود حضور پاک ﷺ کا مقامِ محمود ہے۔ اس مقام پر جلوۂ خداوندی کے ساتھ حضور پاک ﷺ کے راز و نیاز کرنے کا ذکر معراج کے ذکر میں آیا ہے۔ اس مقام پر تمام کائنات کی نفی ہو جاتی ہے۔ بس صرف ایک ذاتِ واحد باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ دوسری اس ذاتِ اقدس کو دیکھنے والی نظر ہے۔ اسی نظر کے مقام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ ''اے لوگو۔ حضور پاک ﷺ کو راعنا مت کہو بلکہ انظرنا کہو۔'' (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۰۴)

اسم انظرنا اللہ تعالیٰ کی وہ نظر ہے جس کا میڈیم حضور پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہ نظر کائنات کے ذرّے ذرّے میں ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرتی ہے۔ راز و نیاز میں کوئی تیسرا شامل کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقامِ محمود پر اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ راز و نیاز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راز و نیاز کائنات کے تخلیقی امور سے متعلق ہیں۔ فکرِ محمدی ﷺ ان راز و نیاز کو محبوبیت کے قالب میں ڈھال کر وادیٔ محمدی ﷺ میں ان کو اپنی نظر کے سامنے دیکھتی ہے۔

نظرِ محبوب کی ہر شئے کو محبوب بن کر دیکھتی ہے۔ وادیٔ محمدی ﷺ کا ہر جلوہ ربوبیت کی شان ہے۔ یہ وہ حرمِ مبارک ہے جہاں غیر کا داخلہ ممنوع ہے۔ جہاں جمالِ محبوب کو دیکھ کر کائنات کی حرکت رُک جاتی ہے۔ نظر آسمان سے زمین تک سجدے میں جھک جاتی ہے۔ یہاں محبوب سے نگاہوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ یہاں عشق کی کارفرمائیاں ہیں، یہاں ساری کائنات محبوب کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہاں ذاتِ عاشق اپنے محبوب کو باعثِ تخلیقِ کائنات ہونے کے رموز سے آشنا کر دیتی ہے۔

حجابِ محمود کے پردے پر ربوبیت کی تجلی سے اسمائے الٰہیہ کا جو جلوہ تشکیل پاتا ہے، وادیٔ محمدی ﷺ میں یہی جلوہ اپنی ایک لاکھ چوبیس ہزار شانوں کے ساتھ جلوہ فرمائی کرتا ہے۔ ہر شان جمالِ خداوندی ہے۔ فکرِ محمد اللہ کی ہر شان کو ساری کائنات کی وسعتوں میں پھیلا ہوا دیکھتی ہے۔ کائنات کی حدود میں آتے آتے نگاہ یا حواس کی مسلسل تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ نگاہ کی ہر تقسیم حواس کا دائرہ ہے۔ نگاہ کے وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار حجاب ہیں جو دراصل تجلی اور نور کے مراتب ہیں اور لامحدودیت کے حواس ہیں۔

نگاہ جب کائنات میں اللہ تعالیٰ کی شانوں کا مشاہدہ کرتی ہے تو کائنات کی محدودیت نگاہ کی روشنی کو لاشمار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ روشنی کے ہر یونٹ کو نگاہ حواس کے بے شمار پرتوں سے گزر کر دیکھتی ہے۔ نگاہ پر یہ راز افشا ہو جاتا ہے کہ روشنی یا نور اللہ ہے اور اس نور پر لپٹے ہوئے غلاف حواس کے وہ دائرے ہیں جن کے ذریعہ سے نگاہ نور کا ادراک کرتی ہے۔ نور کے اوپر لپٹا ہوا ہر غلاف کائنات کی کوئی نہ کوئی صورت ہے۔ جلوۂ حقیقی نور ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر شئے کے اندر چھپا ہوا ہے۔ جس کے لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ :

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ ''کسی بشر کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پسِ پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔''

وحی کی طرزیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تدلّٰی کی تجلیاں ہیں۔ یہ تجلیاں اللہ اور بندے کے درمیان فاصلہ متعین کرتی ہیں۔ کائنات کے حدود سے باہر لامحدودیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تدلّٰی کام کرتی ہے۔ صفتِ تدلّٰی کی تجلیاں تہہ در تہہ نور کے حجابات ہیں۔ کوئی بھی بندہ خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو ذاتِ باری تعالیٰ کی ہستی کو بغیر ان حجابات کے نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ دیکھنا اللہ کا ہے۔ نظر بغیر حجاب کے خود اپنی ذات کو دیکھتی ہے۔ وادیٔ محمدی ﷺ میں نظرِ محمد رسول اللہ ﷺ حجابِ محمود کے پردے میں ذاتِ باری تعالیٰ کی شانوں کا مشاہدہ کرتی ہے اور اس دیدۂ بینا کو اللہ تعالیٰ نے ''انظرنا'' کا نام دیا ہے۔

عورت، خوشبواور نماز

حضور پاک ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ ''مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں۔ عورت، خوشبواور نماز''۔ حضور پاک ﷺ کا ہر قول انتہائی جامع کلام ہے جس سے فطرت کے اندر کام کرنے والے اصولوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انسان ایک ہستی ہے جس میں کائنات کی تمام روشنیاں یکجا ہیں۔ اور قدرت کے جو قوانین ساری کائنات میں کام کر رہے ہیں وہ تمام کے تمام قوانین انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ فطرت کی یہی روشنیاں جب بکھر جاتی ہیں تو کائنات بن جاتی ہے اور جب ایک نقطے میں جمع ہو جاتی ہیں تو انسان وجود میں آتا ہے۔

فطرت روح کا تقاضہ ہے اور مخلوق ان تقاضوں کا مجموعہ ہے۔ روح کا ہر تقاضہ اللہ تعالیٰ کا امر یا اللہ تعالیٰ کا تفکر ہے جو مخلوق کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ ہر مخلوق کے اندر مختلف تقاضے پائے جاتے ہیں جو اس کی فطرت میں داخل ہیں۔ اگر مخلوق کے اندر کے یہ تقاضے ختم کر دیئے جائیں یا بدل دیئے جائیں تو فطرت بدل جاتی ہے۔ فطرت ذات ہے۔ اس لئے ذات میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ فطرت کو ختم کرنے کی کوشش میں ذات مسخ ہو جاتی ہے اور مسخ شدہ ذات کا چہرہ اور زیادہ خوفناک و خونخوار بن جاتا ہے۔

جیسے شیر کی فطرت میں درندگی شامل ہے۔ شیر کو اس کا مالک سدھاتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ ایک حد تک شیر کی درندگی دور ہو جاتی ہے مگر یکسر طور پر ختم نہیں ہوتی۔ شیر کی روح میں جو روشنیاں کام کر رہی ہیں ان کی صفت کا تقاضہ درندگی ہے۔ شیر کے مالک کی کوششوں سے فطرت کی یہ روشنیاں پسِ پردہ ضرور چلی جاتی ہیں مگر جیسے ہی نفس کے پردے میں ان روشنیوں میں حرکت ہوتی ہے، شیر کی درندگی کا تقاضہ ابھرتا ہے اور پھر اسے مالک یا اجنبی کی پہچان نہیں رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شیر نے اپنے ہی مالک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یعنی شیر کے اندر فطرت کی تبدیلی محض عارضی تھی جو مالک کی طبیعت کے دباؤ کا نتیجہ تھی۔ عارضی دباؤ سطحی ہوتا ہے۔ سطح کا دباؤ خود اپنی سطح کو توڑ دیتا ہے۔ پس جب سطح ٹوٹ جاتی ہے تو دباؤ کی وجہ

سے گہرائی میں اور زیادہ شدت ہو جاتی ہے۔ یہی مثال انسان کے نفس کی ہے۔ نفس کا ہر تقاضہ روح کی ایک فطرت ہے۔ روح کے فارمولے میں اسمائے الٰہیہ کی جو روشنیاں کام کر رہی ہیں ان روشنیوں کی حرکت نفس کے اندر تقاضہ بن کر ابھرتی ہے۔

حرکت کا یہ فعل انسان کے جسم کے طفیل مکمل ہوتا ہے۔ روح کی ذات کی روشنیوں کی حرکت اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے۔ اللہ کا امر جب کائنات میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو روح کے اندر اللہ تعالیٰ کے امر کی روشنیاں منتقل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تفکر کی یہی روشنیاں روح کے اندر منتقل ہو کر روح کا تقاضہ بن جاتی ہیں۔ جن کی تکمیل جسم کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ فطرت کا ہر تقاضہ اللہ کا امر ہے۔ اللہ کا امر اس کا ایک حکم ہے۔ اس حکم کی تکمیل قدرت کے دائرے میں ہوتی ہے۔ قدرت کے دائرے میں قدرت کے قوانین کام کر رہے ہیں۔ انسان کا ہر عمل قدرت کے قانون یانیت کے دائرے میں ریکارڈ ہوتا ہے۔

اسلام عینِ فطرت ہے۔ روح کے اندر کام کرنے والی روشنیوں کے تقاضوں کو جاننا، سمجھنا اور انہیں سنتِ الٰہی کے دائرے میں تکمیل کی حد تک پہنچانا اسلام ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ فطرت خود فطرت کو توڑ مروڑ کر پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کے ذریعے فطرت کے تمام اصول واضح طور پر بندوں کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہیں۔

بچہ جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خود اپنے شعوری تقاضوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور ان کی تکمیل کے لیے قدرت کی طرف سے جو ذرائع اسے عطا کئے گئے ہیں انہیں پوری آزادی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً بھوک لگنے پر بچے کا رونا بھوک کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ بچہ گو بول نہیں سکتا مگر رو کر اور چیخ کر اپنے اندر کے تقاضوں کا اظہار کر دیتا ہے اور جب تک تقاضہ پورا نہ ہو جائے رونا بند نہیں ہوتا۔ بچے کی ہر کیفیت اضطراری ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے خود بچے کے اندر بھوک کا تقاضہ پیدا کیا جاتا ہے اور اس تقاضے کو پورا کرنے کے لئے بچے کے اندر اضطرار پیدا کیا جاتا ہے۔ بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جاتا ہے اس کے اندر مختلف تقاضے جنم لیتے رہتے ہیں اور ان تقاضوں کا اظہار وہ مختلف طریقوں

سے کرتا رہتا ہے۔ شعور یا نفس کے اندر جب خود اپنی ذات سے واقف ہونے کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے تو یہ جستجو یا اضطرار کی لہریں ذاتِ نفس کے داخل میں سفر کرنے لگتی ہیں۔

ذاتِ نفس اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دو رخوں پر مشتمل ہے۔ ایک رخ مرد ہے، دوسرا رخ عورت ہے۔ اگر ایک رخ ظاہر میں ہے تو دوسرا رخ باطن میں ہے۔ کسی شے کی ماہیت جاننے کے لیے اس کی ذات میں داخل ہونا ضروری ہے۔ جیسے سمندر کے اندر جب تک ہم پاؤں نہیں ڈالیں گے سمندر کے پانی کی ٹھنڈک محسوس نہیں کریں گے۔

قانون یہ ہے۔ ایک ذات جب تک دوسری ذات کے اندر داخل نہیں ہو گی، ذات سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتی۔ انسان دو رخوں میں زندگی گزار رہا ہے۔ ایک رخ روح ہے، ایک رخ جسم ہے۔ روح کا ہر تقاضہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔ کیونکہ روح اللہ تعالیٰ کی ذات سے قریب ہے۔ روح کے اوپر اللہ تعالیٰ کی محبت کی نظر ہے۔ نظر کی یہ روشنی روح کے اندر عشق کا تقاضہ پیدا کرتی ہے۔ روح کا یہ تقاضہ جب نفس میں آتا ہے تو بندے کی نظر دنیا میں موجود خود اپنی ذات کے اس رخ پر پڑتی ہے جو باطن میں چھپا ہوا ہے۔

روح کی ہر حرکت غیب ہے۔ شعور چونکہ غیب بینی کا عادی نہیں ہے اس لیے وہ روح کے تقاضے کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ مگر تقاضے کی روشنی شعور میں منتقل ہو جاتی ہے اور اس روشنی سے شعور کا حرکت میں آنا ناگزیر ہے۔ شعور میں روشنیوں کے منتقل ہونے سے وہ تقاضہ جو اُن روشنیوں میں ہے شعور کے پردے پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیتا ہے اور یہ تقاضہ شعور کی ایک ضرورت بن جاتا ہے۔ جس کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔

حضور پاک ﷺ نے دنیاوی شے میں عورت کا نام اپنی پسندیدہ اشیاء میں لیا ہے۔ عورت، مرد تخلیق کے دو رخ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت اپنا اظہار کرتی ہے۔ صفتِ خالقیت جب ذات کا عکس روح کے اوپر ظاہر کرتی ہے تو روح کے لطائف اس عکس کی روشنیوں سے رنگین ہو جاتے ہیں۔ روح کے لطائف کے رنگین ہونے سے بندے کے دل میں عشق پیدا ہوتا ہے۔ یہ عشق اس عکس کا ہے جو عکس روح

کی نظر کے سامنے ہے۔ عشق کی یہ حرکت جب نفس کے اندر منتقل ہوتی ہے تو نفس یا جسم کی آنکھوں کے سامنے جو شکل آتی ہے نظر کا عکس اس کے اندر منتقل ہو جاتا ہے۔

صفتِ خالقیت کا تعلق خالق کی ذات سے ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کا تقاضہ قدرت کے قانون کے دائرے میں رہ کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کی روشنیاں اس کے اندر منتقل ہوتی ہیں اور اس کی روح صفتِ خالقیت کے اس عکس کے قریب ہوتی چلی جاتی ہے جو عکس روح کی نظر دیکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر عکس اسمائے الٰہیہ کی ایک تجلی ہے۔ ذات کے عکس کی جب تمام تجلیاں روح کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں تو روح اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتی ہے۔

ہر تجلی جو روح پر نازل ہوتی ہے، روح کے ذریعے اس کی روشنی جسم میں منتقل ہوتی ہے۔ اور جسم سے یہ روشنی خارج ہو کر دوبارہ روح کے اندر منتقل ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ کے امر کی ہر تجلی انسان کے لاشعور سے شعور میں آتی ہے اور شعور سے پھر لاشعور میں واپس لوٹ جاتی ہے۔ ہر تجلی ایک تقاضہ ہے۔ ہر تقاضہ انسان کے ذہن میں علم کی صورت میں ابھرتا ہے اور یہ علم لاشعور سے شروع ہو کر شعور میں مکمل ہوتا ہے۔ پھر لاشعور میں واپس لوٹ کر آدمی کا حافظہ بن جاتا ہے۔

حافظہ ایک نقش یا تمثال ہے جو بار بار اپنے نقش کو ذہن کے پردے پر ظاہر کرتا رہتا ہے جس کا ڈسپلے عالمِ مثال میں ہوتا ہے اور بندہ اس نقش یا تمثال کے ساتھ اپنے آپ کو عالمِ مثال یا برزخ میں موجود دیکھتا ہے۔ اگر حافظے پر دنیا کی کسی شے کا نقش یا تمثال نہیں ہے تو بندے کا رابطہ عالمِ مثال میں اس شے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ زندگی کی تمام تمثالیں اسی دنیا میں بنتی ہیں۔ آئندہ زندگی میں انہی مثالوں کی حقیقت بندے کے سامنے آتی ہے۔ عورت صفتِ خالقیت کا عکس ہے۔ دنیا کی ہر شے اللہ کا ایک عکس ہے جو اس کے تفکر کی ایک شکل ہے۔ جس کے اندر اس کی صفات کی روشنیاں کام کر رہی ہیں۔

عورت ایک ایسا عکس ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کی روشنیاں کام کر رہی ہیں۔ بندہ صفتِ خالقیت کو عورت کے ذریعے سے پہچانتا ہے۔ عورت کا ہر روپ خواہ وہ ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی ہو، اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کا ایک عکس ہے۔

بندہ اس عکس سے حقیقت کی طرف سفر کرتا ہے۔ شعور کا سفر دنیا سے شروع ہوتا ہے۔ جو بندہ دنیا میں ذات کے اس عکس کو نہ پہچان سکے وہ آخرت میں اس کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے۔ ہر شے کی حقیقت خود اسمائے الٰہیہ کی ہستی ہے۔ بندہ جب دنیا میں اسمائے الٰہیہ کے عکس کو قبول نہیں کرتا تو مرنے کے بعد ان کی روشنیوں کو بھی وہ قبول نہیں کر سکتا۔

کیونکہ ہر روشنی لاشعور سے آتی ہے۔ شعور جب اس روشنی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کا ایک عکس اس کے حافظے میں نقش ہو جاتا ہے۔ مگر جب شعور روشنیوں کو قبول نہیں کرتا تو یہ روشنیاں واپس لوٹ جاتی ہیں اور حافظے میں اس کا عکس قائم نہیں ہوتا۔

کائناتِ عالم کی ہر شے اسمائے الٰہیہ کا چہرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک جز ہے۔ عورت کے اندر اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفات کام کر رہی ہیں۔ تخلیقی فارمولوں کی روشنیاں جن مراحل سے گزر کر تخلیق کی صورت اختیار کرتی ہیں، یہ تمام مدارج عورت کی ذات کے دائرے میں رونما ہوتے ہیں۔ عورت اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا آلہ کار ہے۔ عورت کے اندر اللہ تعالیٰ کا تخلیقی نظام کام کر رہا ہے۔ کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے تخلیقی فارمولے کام کر رہے ہیں۔ تخلیقی فارمولے بیج ہیں اور تخلیقی نظام زمین ہے۔

بیج اور زمین سے مل کر ہی کھیتی وجود میں آتی ہے۔ ساری کائنات کھیتی کے مانند ہے اور نفس ایک ایسی نظر ہے جو کھیتی کو لہلہاتا دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہے۔ کسان کی ساری زندگی اپنی زمین کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اس کی زندگی کی تمام خوشیاں اس کی کھیتی سے وابستہ ہوتی ہیں جس کی نشوونما کے ہر لمحے پر اس کی نظر رہتی ہے۔ زمین کی محبت کسان کو کھیتی کے تمام گر سکھا دیتی ہے۔ یہی مثال عورت کی ہے۔ عورت ایسی زمین ہے جس کے اندر قدرت نے ذات کے اسرار چھپا دیئے ہیں۔

یہ اسرار جب کھلتے ہیں تو ذات خود اپنی نگاہوں میں بے نقاب ہو جاتی ہے اور نفس اس کے رمز کی باریکیوں سے لطف اُٹھاتا ہے۔ خالقیت کا تقاضہ اپنے جلوۂ حسن کو نگاہِ عشق کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور نگاہِ عشق کا تقاضہ خالقیت کے ہر رنگ کو اپنے اندر سمولیتا ہے۔ نفس کے اندر تقاضائے کشش اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ خالقیت کے رموز سے شناسائی ہو جائے۔

اس حدیث پاک میں دوسری چیز ''خوشبو'' ہے جس کے لیے حضور پاک ﷺ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ خوشبو ایک ایسی لطافت ہے جو سارے بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور بدن کا رواں رواں اس سے محظوظ ہوتا ہے۔ خوشبو ایک باطنی شے ہے۔ جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی مگر قوتِ شامہ کے ذریعے جب خوشبو جسم کے اندر داخل ہو جاتی ہے تو سارا جسم اس کی موجودگی کو محسوس کر لیتا ہے۔ خوشبو ایک ایسی لطافت ہے جو باطن کے ادراک سے شعور کو شناسا کرتی ہے۔

باطن کی ہر کیفیت روح کا ادراک ہے۔ روح نور ہے۔ روح کا ہر ادراک روشنیوں کا شعور ہے اور روشنی لطیف ہے۔ خوشبو سے مادیت کے احساس میں روح یا روشنی کی لطافت شامل ہو جاتی ہے۔ جس سے روحانی شعور پیدا ہوتا ہے۔ روحانی شعور بندے کو روح سے قریب کرتا ہے۔ روح ہر شے کی اصل ہے۔ روح کے قریب ہونے پر ہر شے کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور غیب کے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ روح کا ہر شعور اللہ کا ادراک ہے۔

تیسری چیز ''نماز'' ہے جو اس حدیث پاک میں حضور ﷺ کی پسندیدہ شے بیان کی گئی ہے۔ نماز اظہارِ بندگی ہے۔ بندہ جب اپنے رب کو اپنی جان کے قریب تر محسوس کر لیتا ہے تو اس کے بدن کا رواں رواں ایک ایسی نظر بن جاتا ہے جس سے وہ اپنے رب کے حسنِ کبریائی کا نظارہ کرتا ہے اور محبوب کے رنگِ حسن کو اپنی رگ رگ میں بسا لینا ہی حقیقت کی نماز ہے۔ نماز حالتِ حضوری ہے اور حضوری قربت ہے۔ بندہ حالتِ نماز میں جس حد تک اپنے رب سے قریب ہو گا اسی حد تک حضوری کے کیف و سرور سے آشنا ہو گا۔

نماز وہ لمحۂ حضوری ہے جس میں روح پر ذات کی تجلیاں نازل ہوتی ہیں اور شعور کے اندر ذات کا نور داخل ہوتا ہے۔ بندے کا شعور جس حد تک ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیوں کے ادراک کا خوگر ہوتا ہے اسی حد تک وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی قربت کا لطف اُٹھاتا ہے اور اس کو اپنی جان سے قریب تر محسوس کر کے اس پر اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ اور عجز و تشکر کے ساتھ اس پر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نماز میں لمحۂ حضوری اس وقت میسر آتا ہے جب ذہن کی مرکزیت قائم ہو جائے۔

بندہ اپنے نفس کا ہر تقاضہ ذات کے ارادے کی روشنی میں پورا کرے اور نفس کی ہر خواہش اور ضرورت کو فطرت کے مقرر کردہ اصولوں کے ساتھ انجام دے۔ فطرت کے مقرر کردہ اصولوں کی پیروی کرنے سے نفس و قلب کے اندر سکون کی طرزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سکون ایسی حرکت ہے جو گہرائی میں سفر کرتی ہے۔ نفس کی گہرائی روح ہے۔ بندہ نفس کے تقاضوں کو پہچان کر روح کے تقاضوں سے شناسا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں نفس کے تقاضوں کو عورت کہا گیا ہے اور روح کے تقاضوں کو ''خوشبو'' اور جب بندہ اپنی روح کے تقاضوں سے واقف ہو جاتا ہے اور اسے اپنی ذات یعنی روح کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا شاہکار ہے اور خالقیت کی نظر اپنے شاہکار کو وارفتگی کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ عشق کی نگاہ بندے کو خالق کی نظر میں محبوب بنا دیتی ہے اور نظر کا سارا جمال محبوب کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ خالق کی نظر اپنے محبوب کے پردے میں اپنی شان کو دیکھتی ہے۔

نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نظر روح کو دیکھتی ہے۔ بندہ جب اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کی نظر کی روشنی کو دیکھتا ہے اور نظر کی اس روشنی میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے ذہن کا رابطہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست رابطہ قائم کرنے کا نام صلوٰۃ قائم کرنا ہے۔ جس کو حضور پاک ﷺ نے دنیا کی ہر شے سے زیادہ پسند فرمایا ہے۔ جب کوئی بندہ نماز قائم کر لیتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

محبوب کے ساتھ رابطہ قائم ہونا اور محبوب کی نظروں کے سامنے رہنا ہی بندگی کی معراج ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا محل

مراقبہ میں دیکھا حضرت قلندر باباولیاءؒ تشریف لائے ہیں۔ آپ نے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا۔ باباجی بائیں جانب سے آئے اور بایاں بازو پکڑ لیا۔ آپ دونوں کے اندر سے انوار نکل کر میرے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ چند لمحوں بعد ہم تینوں ایک مختلف مقام پر موجود تھے۔ خیال آیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے جو لاتناہیت کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ پوری فضا نور سے جگمگا رہی ہے۔ نیچے کی جانب نظر گئی تو ایک بہت ہی خوبصورت پتلا راستہ نظر آیا۔ دونوں اطراف میں پھولوں کی بڑی خوبصورت ترتیب ہے۔

راستے کی زمین بھی پھولوں سے لبریز ہے۔ اتنا حسین منظر دیکھ کر میں والہانہ انداز میں چلاّ اُٹھی۔ ''آہا باباجی کتنی پیاری جگہ ہے۔'' اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ ہم تینوں بہت ہی گہرے دوست ہیں۔ ہم خوشی خوشی اس حسین راستے پر جا رہے ہیں۔ اس راستے کے اختتام پر ایک بہت ہی خوبصورت محل نظر آیا۔ یہ محل دیکھ کر میں فوراً پہچان گئی کہ ارے یہ تو حضور پاک ﷺ کا محل ہے۔ قلندر باباولیاءؒ نے فرمایا۔ ہم تمہیں اندر لے چلتے ہیں۔ قلندر باباؒ نے خاص طور سے میرا بازو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور محل کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک عظیم الشان کمرے کے اندر سامنے کی جانب ایک دربار لگا ہوا ہے۔

ایک تخت پر حضور پاک ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کا جاہ و جلال بادشاہوں جیسا ہے۔ ہم تینوں نے جھک کر سلام کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں آداب بجالائے۔ پھر حضرت قلندر باباولیاءؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ میری حالت اس وقت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی حقیر لونڈی اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے جس کے دل میں ٹھکرائے جانے کا از حد خوف ہے۔ رعبِ رسالت میرے روئیں روئیں پر طاری تھا۔ انہی خیالات میں ڈوبی ہوئی حضور ﷺ کی بارگاہ میں سر جھکائے چپ چاپ کھڑی رہی۔

حضور پاک ﷺ نے میری جانب نظر اُٹھائی۔ مسکرائے اور نہایت ہی شفقت کے ساتھ اپنا دستِ مبارک میرے سر پر رکھ دیا اور حضرت قلندر باباولیاءؒ سے فرمایا۔ ''ہم نے اسے قبول کیا۔'' آپ ﷺ کے اتنا کہتے ہی میری جان میں جان آگئی۔ حضور ﷺ نے ایک طشت خوان پوش سے ڈھکا ہوا میرے ہاتھ میں دیا اور ہمیں جانے کی اجازت دی۔ قلندر باباولیاءؒ، باباجی اور ہم تینوں اس قدر خوش تھے کہ جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ راستے میں حضرت قلندر باباؒ نے فرمایا۔ ''ٹھہر جاؤ۔ خوان پوش تو کھولو۔ دیکھو تو سہی حضور پاک ﷺ نے تم کو کیا تحفہ دیا ہے۔'' میں نے خوان پوش ہٹایا۔

اس کے اندر ایک بڑا سا سُرخ موتی تھا۔ اس کے اندر سے روشنی نکل کر چاروں طرف پھیلنے لگی۔ قلندر بابا اور باباجی بہت خوش ہوئے۔ ہم تینوں خوشی کے عالم میں بچوں کی طرح اچھلتے ہوئے چلنے لگے۔ کچھ آگے چلنے کے بعد اس راستے کے آخر پر پہنچے تو ایک گول دائرہ نظر آیا۔ جس کے اطراف سے پانچ راستے نکل رہے تھے۔ ہم بیچ میں اس گول دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے سوچا ایک راستے پر تو مقامِ محمود ہے۔ جہاں سے ہم آرہے ہیں۔ نہ جانے یہ باقی چاروں راستے کہاں جارہے ہیں۔

میں نے باباجی سے کہا کہ باباجی ان راستوں پر بھی چلتے ہیں، دیکھیں تو سہی کہ ان پر کیا ہے۔ قلندر بابا بھی اس وقت بہت خوش تھے۔ کہنے لگے۔ ''ہاں بھئی چلو دیکھ لیتے ہیں۔'' ہم تینوں ایک راستے پر خوشی کے عالم میں تقریباً دوڑتے ہوئے چل پڑے۔ راستے کے اختتام پر سامنے نظر گئی تو ایک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گئی کہ ارے یہ تو حضور پاک ﷺ کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ کا جسمِ مبارک نیلی روشنیوں کا بنا ہوا نظر آیا۔ میں خوشی کے عالم میں حضور ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

حضور ﷺ نے اپنے دونوں بازو میری جانب بڑھا دیئے اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ آپ ﷺ کے سینے سے لگتے ہی میرا جسم روشنیوں میں تحلیل ہونے لگا۔ اسی وقت خیال آیا کہ یہ حضور پاک ﷺ کا علم ہے۔ پھر ہم دوسرے راستے پر گئے۔ وہاں بھی اسی طرح حضور ﷺ

کھڑے ہوئے نظر آئے۔ دیکھا آپ ﷺ کا جسم نارنجی روشنیوں کا بنا ہوا ہے۔ تیسرے راستے پر آپ ﷺ کی شبیہِ مبارک بینگنی رنگ کی دکھائی دی، چوتھے پر سفید رنگ کی۔ میرے ذہن میں اچھی طرح آگیا کہ روشنیوں کے یہ تمام پیکر حضور پاک ﷺ کے علم کا عکس ہیں۔

علم چونکہ باطنی صفات ہیں۔ باطنی صفات کو ظاہر کرنے کے لیے ایک پردے کی ضرورت ہے۔ باطنی صفات نور کی شکل ہیں۔ اس نور نے ظاہر ہو کر اپنے ظاہر کی شکل اختیار کر لی۔ جس کی وجہ سے میں پہچان گئی کہ یہ حضور پاک ﷺ کا علم ہے۔

دوسرے دن میں نے باباجی کو فون کیا۔ باباجی اس وقت لندن میں مقیم تھے۔ یہ واردات سنائی اور پوچھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا اس سے کیا مراد ہے؟

باباجی نے فرمایا۔ ''حضور پاک ﷺ کی نسبت حاصل ہوئی ہے۔''

شہد ہر مرض کی شفا

سحری کے وقت مراقبہ میں دیکھا کہ حضور پاک ﷺ ایک باغ میں چہل قدمی فرما رہے ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے چلتی جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر آپ کے پیچھے چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ میں پودوں کو پانی دے رہی ہوں۔ بالٹی بھر بھر کر پانی ہر پودے کی جڑ میں ڈالتی جا رہی ہوں۔ جس سے مرجھائے ہوئے پودوں میں جان آجاتی ہے۔

حضور پاک ﷺ میرا یہ عمل دیکھتے ہیں اور مسکراتے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے اپنا دستِ مبارک میری طرف بڑھا دیا اور فرمانے لگے۔ تم نے ان مرجھائے ہوئے پودوں میں جان ڈال دی ہے۔ ہم بہت خوش ہیں۔ ہم تمہیں اور پانی دیتے ہیں تاکہ تم اسی طرح پودوں کی آبیاری کرتی رہو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ کے دستِ مبارک سے روشنیاں نکل کر میرے ہاتھ کے ذریعے سے میرے اندر پہنچ رہی ہیں۔

حضور پاک ﷺ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ مجھے اپنے اندر خوب روشنی محسوس ہوئی اور حضور پاک ﷺ کی بے پناہ محبت دل میں امنڈ آئی۔ میں نے والہانہ انداز میں آپ ﷺ سے عرض کیا حضور ﷺ آپ مجھے بے حد اچھے لگتے ہیں۔ حضور ﷺ مجھے قدم بوسی کی اجازت عطا فرمائیں تاکہ دل کو چین ملے۔ حضور ﷺ نے اجازت دی تو میں نے آپ ﷺ کے قدم مبارک اور دستِ مبارک چومے اور بار بار میں یہی کہے جاتی تھی کہ حضور پاک ﷺ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد حضور پاک ﷺ نے فرمایا۔ ''آؤ ہمارے ساتھ چلو۔'' آپ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے ساتھ لے کر چلے۔ ہم چلے ہی تھے کہ ایک دروازہ کھلا۔ ہم اس کے اندر داخل ہو گئے۔ میں سوچنے لگی کہ اس دروازے میں میں پہلی بار داخل ہوئی ہوں۔ اسی لمحے ایک گھوڑا گاڑی سامنے آکر رکی۔ یہ گاڑی بہت ہی خوبصورت تھی جس میں دو سفید گھوڑے جیسے خوبصورت جانور جتے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے اس میں بیٹھنے کا حکم دیا اور خود بھی میرے برابر اس میں بیٹھ گئے۔

گاڑی چلنے لگی۔ گاڑی میں کوئی کوچوان نہ تھا مگر گھوڑے خود اپنی منزل پہچانتے تھے۔ ہم ایک چشمے پر پہنچے۔ حضور ﷺ نے گھوڑوں کو رکنے کا حکم کا حکم دیا۔ یہ بہت خوبصورت مقام تھا۔ چاروں طرف سبزہ تھا اور گھنے درخت تھے اور درمیان میں ایک بہت ہی خوبصورت چشمہ تھا۔ حضور ﷺ نے مجھے گاڑی سے اترنے کا حکم دیا اور خود بھی گاڑی سے اتر آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ چشمۂ شفا ہے۔ میں پانی میں اتر گئی اور خوب اچھی طرح اس میں ڈبکیاں لگائیں۔ میں نے سوچا کہ یہ تو شہد ہے۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ پانی بھی پیو۔ ایک بار پیا تو حضور ﷺ نے فرمایا دوبارہ پیو۔ میں نے پیا تو فرمایا اور پیو۔ اس طرح میں نے آپ ﷺ کے فرمانے پر تین بار اچھی طرح اس چشمے کا پانی پیا جو شہد کی طرح تھا۔ اس کا رنگ بھی شہد جیسا ہی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شہد کا یہ چشمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور ہمارے ذریعے سے ہماری امت کو اس سے فیضیاب فرمایا ہے۔ شہد میں ہر مرض کی شفا ہے۔ ہم یہ شفاء تم کو عطا فرماتے ہیں۔

جب مریض تمہارے پاس آئیں تو تم صبح شام ایک ایک چمچ شہد پر ۹ مرتبہ یَا وَلِیُّ یَا شَفِیْعُ پڑھ کر دم کر کے کھانے کے لیے کہو۔ یہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے میرے دل کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور دل کی نالی کے ذریعے سے اس کے اندر آہستہ آہستہ پھونک ماری۔ جوں جوں حضور ﷺ پھونکتے جاتے تھے میرا دل پارے کی طرح روشن ہوتا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ نے دل کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔

میرا دل اندر سے پارے سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔ میرے دل میں حضور پاک ﷺ کی محبت کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ میں نے قدم بوسی کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر آپ ﷺ کے قدم مبارک اور دستِ مبارک والہانہ چومنے لگی اور بار بار آپ ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کرتی رہی۔

شفا کی روشنی

صبح کے وقت مراقبہ میں دیکھا کہ باباجی میرے قریب ہیں اور آپ کے اندر سے روشنیاں نکل کر میرے چھ نقطوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ کافی دیر تک باباجی کی روشنیاں میرے نقطوں میں جذب ہوتی رہیں۔ پھر یہ تمام نقطے ستارے کی مانند نظر آنے لگے اور ان سب کے اندر سے روشنی کی شعاعیں نکل کر میری پیشانی میں جمع ہونے لگیں۔ یہ تمام روشنیاں پیشانی کے اندر کی جانب آ کر رک گئیں اور باہر خارج نہیں ہوئیں۔ روشنیاں باہر خارج نہ ہونے کی وجہ سے میرے جسم کے اندر ذخیرہ ہوتی گئیں اور اس قدر تیز روشنی میرے اندر محسوس ہوئی کہ خود میری ہی آنکھیں ایک لمحے کو چندھیا گئیں مگر دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ انہی روشنیوں کے اندر باباجی کھڑے ہیں اور میں بھی آپ کے پاس کھڑی ہوں۔

باباجی نے ایک پھولوں سے بھری ہوئی باسکٹ میری طرف بڑھائی اور فرمایا یہ پھول ہم تمہارے لیے لائے ہیں۔ میں نے انہیں ہاتھ میں لیا اور دیکھا تو اس کے اندر ہر قسم کے پھول تھے۔ گلاب، چنبیلی، چمپا اور بنفشہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ پھول مختلف رنگوں کے تھے۔ جب میں انہیں اچھی طرح دیکھنے لگی تو مجھے ہر پھول کے نیچے شہد کی دھار نظر آئی جو پھول کے اندر سے نکل رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''باباجی ہر پھول میں سے شہد نکل رہا ہے۔'' باباجی نے فرمایا۔ ''بیٹی یہ کل ۳۶۰ پھول ہیں اور ہر پھول کے شہد کا مزا مختلف ہے۔'' میں نے ایک دم خوشی سے کہا کہ ارے باباجی کتنی خوشی کی بات ہے کہ ۳۶۰ پھول آپ نے دیئے۔

۳۶۰ کے ۹ عدد بنتے ہیں اور ۹ میرا لکی نمبر ہے۔ باباجی نے فرمایا کہ ''ہاں ۹ تمہارا لکی نمبر ہے۔ تم ہر پھول کے شہد کو چکھو۔'' تب میں نے باباجی کے فرمانے کے مطابق شہد چکھا۔ مراقبہ میں میں اس وقت آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ اندر کی جانب سانس لینی شروع کی۔ خوب

لمبی سانس لے کر سینے میں روکے بغیر آہستہ آہستہ ناک کے راستے باہر نکال دی۔اس طرح باباجی کے کہنے کے مطابق گیارہ سانسیں لیں۔ بابا جی نے فرمایاان گیارہ سانسوں میں تم نے ۳۶۰ پھولوں کے ۳۶۰ قسم کے شہد کو چکھا ہے۔

یہ شہد شفا ہے اور ان کے اندر ہر قسم کی بیماری کا علاج ہے۔ پھر باباجی نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایااب ہم تم کو حضور پاک ﷺ کے دربار مبارک میں لے کر چلتے ہیں۔ یہ دربار اعراف میں ہے اور یہ دربار بالکل اسی طرز پر ہے جس طرز پر آپ ﷺ دنیا میں اپنی زندگی میں رہتے تھے اور دربار میں بھی صحابہ کرامؓ بالکل اسی طرح ہیں۔ ہم حضور پاک ﷺ کے دربار میں پہنچے۔ باباجی اور میں نے حضور پاک ﷺ کو سلام کیا اور پھر باباجی نے مجھے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔

میں نے حضور ﷺ سے قدم بوسی کی اجازت چاہی جو منظور کر لی گئی۔ پھر میں ادب کے ساتھ حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ باباجی نے فرمایا کہ میں نے سعیدہ کو اپنے اندر کی شفا کی تمام روشنیاں منتقل کر دی ہیں جو مجھے حضرت قلندر باباولیاءؒ نے عنایت فرمائی ہیں۔تب حضور پاک ﷺ نے مجھے اپنے قریب آنے کا حکم دیا۔ میں آپ ﷺ کے بالکل قریب آ گئی۔

حضور پاک ﷺ نے میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور کنپٹیوں پر دونوں طرف سے پکڑ کر میرا سر اونچا فرمایا اور میری پیشانی پر آہستہ آہستہ پھونک ماری۔ مجھے محسوس ہوا کہ کافی دیر تک آپ ﷺ نے پھونک ماری۔ آپ ﷺ کے لبوں سے بہت ہی لطیف نور کی دھار نکل کر میری پیشانی کے اندر جذب ہو گئی۔اس کے بعد میں نے آپ ﷺ سے کافی دیر تک سب کے لیے دعائیں مانگیں اور پھر باباجی اور میں نے قدم بوسی کی اجازت طلب کی اور پھر آپ ﷺ کے دربار سے الٹے قدموں تعظیم بجالاتے ہوئے ہم باہر نکل آئے۔

باباجی سے میں نے کہا کہ باباجی حضور پاک ﷺ کے پاس جاتے ہوئے مجھے آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے ڈر سا لگتا ہے۔ باباجی نے فرمایا کہ حضور پاک ﷺ انتہائی رحیم و کریم ہیں۔ آپ ﷺ اس قدر شفیق ہیں کہ آپ ﷺ سے تو کسی چیونٹی کو بھی گزند پہنچنے کا گمان نہیں

ہوتا۔ میں نے کہا کہ باباجی یہ تو میں جانتی ہوں مگر اس کے باوجود بھی آپ ﷺ کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ فرمایا کہ حضور پاک ﷺ کے انوار انتہائی لطیف انوار ہیں مگر انتہائی لطافت رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے انوار انتہائی (Powerful) ہیں۔

جیسے بجلی کا انتہائی تیز کرنٹ رکھنے والا کیبل۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے قریب جاتا ہے تو آپ ﷺ کے انوار کی طاقت کو دیکھ کر آپ ﷺ کا رعب اس کے دل پر طاری ہو جاتا ہے۔ پھر باباجی نے فرمایا اب ہم قلندر باباولیاءؒ کے پاس چلتے ہیں۔ باباجی نے قلندر باباؒ کو حضور پاک ﷺ کے دربار میں جانے کا تمام حال سنایا اور کہا کہ میں نے سعیدہ کو شفا کی روشنیاں دے دیں اور حضور پاک ﷺ کی منظوری بھی مل گئی ہے۔

اب آپ بھی اسے منظوری عطا کر دیں۔ قلندر باباؒ نے فرمایا یہ تو ہماری ہی خواہش تھی۔ ہم بہت خوش ہیں۔ اس کے بعد میں نے قلندر باباؒ کے دونوں پیروں پر تین تین بوسے لئے مگر بوسے لینے کے بعد ایک دم سے آپ کے پاؤں مجھے روشنیوں کے بنے ہوئے دکھائی دیئے اور آپ کا جسم بہت ہی خوبصورت روشنیوں کا بنا ہوا تھا۔ میں کچھ دیر نہایت ادب اور تعظیم کے ساتھ آپ کو دیکھتی رہی اور خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتنی لازوال روشنیاں قلندر باباؒ کے اندر ذخیرہ کر دی ہیں۔ کچھ دیر بعد میں نے اور باباجی نے اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے۔

حضرت بی بی فاطمہؓ

مغرب کی نماز کے بعد تسبیح کرتے ہوئے اچانک نظر سے پردہ ہٹ گیا۔ دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت محل ہے۔ میں اس محل کے اندر ہوں اور اِدھر اُدھر کسی کو نہ پا کر آواز دیتی ہوں۔ میری آواز سن کر حضرت بی بی فاطمہؓ تشریف لاتی ہیں۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر سر اور ماتھا چومتی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بالکل معصوم بچی ہوں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ میرے سر پر چادر ڈالتی ہیں۔ پھر میرے ہاتھ میں قرآن مجید دیتی ہیں جو میں سینے سے لگا لیتی ہوں۔ پھر میرے ہاتھ میں گلاب کا پھول دیتی ہیں اور فرماتی ہیں۔

''بیٹی سرورِ کائنات رحمت للعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔ سب سے پہلے بہت ادب کے ساتھ اور جھک کر انہیں سلام کرنا۔ پھر یہ پھول پیش کرنا۔ کہنا کہ بی بی فاطمہؓ نے مجھے بھیجا ہے اور یہ پھول آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر ان سے نہایت ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر عرض کرنا کہ آپ ﷺ کی لختِ جگر نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ مجھے قرآن مجید پڑھا دیں۔''

حضرت بی بی فاطمہؓ خوب اچھی طرح مجھے سمجھاتی ہیں۔ جیسے کسی چھوٹے سے بچے کو سمجھاتے ہیں۔ پھر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیتی ہیں اور جانے کی اجازت دیتی ہیں۔

میں جانے کے لئے محل کے دروازے سے باہر آتی ہوں اور دوسرے ہی لمحے اپنے آپ کو حضور پاک ﷺ کے قریب کھڑا ہوا دیکھتی ہوں۔ قریب جا کر اس طرح جھک کر سلام کرتی ہوں اور بہت خوب ادب کے ساتھ پھول پیش کرتی ہوں اور عرض کرتی ہوں۔ ''یہ پھول حضرت بی بی فاطمہؓ نے بھیجا ہے۔''

سرکارِ دوعالم ﷺ اپنی پیاری بیٹی کا نام سن کر پھول لے لیتے ہیں اور پھول لے کر اسے چوم کر اس کی خوشبو سونگھتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حضرت بی بی فاطمہؓ کی محبت کے سرور میں ڈوب گئے ہیں۔ پھر ایک لمحے بعد آنکھیں کھول کر مجھے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''یہاں آؤ! تم بھی ہماری بیٹی ہو۔''اور نہایت ہی محبت وشفقت کے ساتھ فرماتے ہیں:

''یہ قرآن کس نے دیا ہے۔''

میں کہتی ہوں، حضور ﷺ یہ بی بی فاطمہؓ نے دیا ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ سے عرض کروں کہ آپ مجھے اس کا درس دے دیں۔ حضور پاک ﷺ ایک گہری نظر مجھ پر ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

''تم کیوں پڑھنا چاہتی ہو بیٹی!''

میں نے کہا''مجھے علم سیکھنے کا بے حد شوق ہے۔اس وجہ سے خاص طور پر بی بی فاطمہؓ نے مجھے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے۔''

حضور پاک ﷺ بہت زیادہ شفقت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

''ہماری بیٹی کو قرآن پڑھنے کا شوق ہے تو ہم ضرور پڑھائیں گے، ضرور پڑھائیں گے، آؤ بیٹھ جاؤ۔''

میں بیٹھ جاتی ہوں۔میں بہت سنبھل کر اور بڑے ادب کے ساتھ اپنے سامنے ایک رحل رکھتی ہوں۔رحل حضور پاک ﷺ مجھے دیتے ہیں۔ میں آپ کے حکم سے قرآن کھولتی ہوں۔سامنے حضور پاک ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔

پہلی سطر پر حضور ﷺ اپنی انگلی رکھ کر فرماتے ہیں۔

''پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔''

میں یہی آیت دہراتی ہوں۔اسی لمحے میری نظر کے سامنے ۱۹۵۴ء میں دیکھا ہوا خواب آجاتا ہے۔اس زمانے میں، میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ رحل کے اوپر ایک بہت ہی بڑا قرآن شریف رکھا ہے اور ایک ہاتھ ہر ہر سطر پر انگلی رکھ کر مجھے پورا قرآن مجید پڑھا رہا ہے۔مجھے یہی احساس تھا کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اللہ کی آواز ہے۔

اب وہی خواب نظروں میں آجاتا ہے۔میں سوچتی ہوں کہ اُس وقت جو میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے تو حقیقت میں یہ حضور پاک ﷺ کا ہاتھ ہے۔اس بات کی توجیہ بھی خود ہی ذہن میں آجاتی ہے کہ حضور پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔آپ کے اندر اللہ تعالیٰ کی روشنی کام کر رہی ہے۔کوئی بھی بندہ جو قربِ فرائض اور قربِ نوافل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے تو اس کا رابطہ براہِ راست حضور ﷺ سے ہو جاتا ہے اور اس بات پر ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا رابطہ براہِ راست اللہ سے ہے۔قرآن کی اس آیت میں تفکر کریں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

ترجمہ: ''اللہ کا ہاتھ تھا اُن کے ہاتھوں پر''۔اللہ تو بس نور ہے۔جیسے کہ سمندر۔اس کے پانی کو گلاس میں بھریں تو گلاس کی شکل ہو جائے اور پیالے میں بھریں تو پیالے کی شکل ہو جائے۔حقیقت میں پیاس تو پانی ہی سے بجھتی ہے۔

حضور پاک ﷺ کے ذریعے سے اللہ ہی بندوں کی ہر ضرورت پوری کر رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ جب کوئی بندہ اُٹھتے بیٹھتے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، اس کی زبان بن جاتا ہوں۔وہ میرے ہی ذریعے سے ہر کام کرتا ہے۔یعنی اس کے اندر اللہ کا ارادہ یا امر کام کرنے لگتا ہے۔میں سوچتی ہوں کہ میرے اس خواب کی یہی حقیقت ہے کہ اصل میں اللہ ہی کا امر مجھے حضور پاک ﷺ کی صورت میں پڑھا رہا ہے۔تھوڑی دیر بعد سنجیدگی کے ساتھ کہتی ہوں۔''حضور ﷺ مجھے اسمِ اعظم کے علوم سکھا دیجئے۔''حضور پاک ﷺ نہایت ہی مدبرانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

''تم جانتی ہو بیٹی کہ اسمِ اعظم کیا ہے؟'' میں اطمینان سے جواب دیتی ہوں۔ ''حضور ﷺ میں جانتی ہوں کہ اسمِ اعظم ذات کے علوم ہیں۔''

حضور ﷺ یہ سن کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور میرا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ ''کیوں نہیں آخر تم میری لختِ جگر فاطمہؓ کی اولاد ہو۔'' یہ کہہ کر مجھے لے کر چلتے ہیں۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک سرنگ آتی ہے۔ اس سرنگ میں بالکل ہی اندھیرا ہے۔ جیسے ہی ہم سرنگ میں پہنچتے ہیں، حضور پاک ﷺ کے نور سے یہ روشن ہو جاتی ہے۔ ہم اس روشنی میں آگے بڑھتے ہیں۔ لمبی سرنگ پار کر کے ہم کھلی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جگہ جگہ زمین پر ہیرے پڑے نظر آتے ہیں۔ میں خوش ہو کر کہتی ہوں۔ ''حضور ﷺ کیا یہ اسمِ اعظم ہے؟''

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ''بیٹی اسمِ اعظم تو اس کان کی گہرائی میں ملے گا۔''

میں آگے جا کر کان کے سوراخ کے اندر جھانکتی ہوں۔ سوچتی ہوں کس قدر گہری کان ہے۔ نیچے تہہ کے پاس دیواروں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے چمکتے ہیں۔ میں پھر پوچھتی ہوں۔ ''حضور ﷺ کیا یہ اسمِ اعظم ہے؟''

حضور ﷺ کان کے اندر جھانکتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ''بیٹی یہ جو دیواروں پر اور تہہ کے اندر رنگین چھوٹے چھوٹے ہیرے ہیں یہ اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جو صفاتی اسم ہیں۔ اسمِ اعظم اس کان کی تہہ میں ساری کان کے اندر جو ایک ہیرا پھیلا ہوا ہے، یہ ہے۔''

میں دیکھتی ہوں، یہ حسین ترین ہیرا ہے۔ جو ساری کان جتنا بڑا ہے۔ کان کی تہہ میں فرش پر غرض ہر جگہ یہ ایک ہیرا سمایا ہوا ہے۔ میں کہتی ہوں حضور ﷺ اس کو کیسے نکالوں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ''بیٹی ہمت کرو اور کان کے اندر اتر جاؤ۔ تم ہیرا نکال لو گی۔''

میں حضور ﷺ کے فرمانے پر اندر اترتی ہوں اور آسانی کے ساتھ ہیرا لے کر اوپر آجاتی ہوں۔ یہ ہیرا اتنا بڑا ہے کہ میرے دونوں ہاتھوں پر جیسے کوئی بہت بڑا تھال رکھا ہے۔ میں خوشی خوشی حضور ﷺ کے سامنے دیکھتی ہوں۔ ہیرا اتنا بڑا ہے کہ خیال آتا ہے اتنا بڑا ہیرا ہاتھوں میں سمانا مشکل ہے۔ اسے میں کہاں سجاؤں گی۔ نہ گلے میں پہن سکتی ہوں نہ جسم کے کسی اور حصے پر سجا سکتی ہوں۔ اس لمحے حضور پاک ﷺ میرے اس تفکر سے آگاہ ہو کر ہیرے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اب یہ ہیرا میرے ہاتھ میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا خوبصورت سرخ رنگ کا دکھائی دیتا ہے۔ میں بے حد خوش ہو جاتی ہوں اور خوشی خوشی اس کو ہاتھ میں لے کر چومتی ہوں۔ واپس آکر پھر میں اسی جگہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔ حضور ﷺ تکیے کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔ میں سوال کرتی ہوں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں اور آپ رحمت للعالمین ﷺ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علاوہ بھی بے شمار دنیائیں اور عالمین ہیں۔ ورنہ اللہ میاں عالمین نہ کہتے، صرف ایک عالم کہتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تمام عالمین کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ تو حضور ﷺ جس طرح اللہ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا اور آپ پیدا ہوئے، اسی طرز پر دوسری دنیاؤں میں بھی آپ کو رحمت بنا کر بھیجا جاتا ہو گا اور آپ وہاں کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ ہر عالم کی مخلوق کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک سے زیادہ عالمین میں پیدا کئے جائیں۔"

حضور پاک ﷺ نے اسی طرح گاؤ تکیے کے سہارے لیٹے ہوئے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور فرمایا۔ "سبحان اللہ بیٹی! تمہارا سوال بہت غور طلب ہے۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے گی۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ ہماری جانب دیکھو۔" میں نے دیکھا حضور پاک ﷺ کے جسم کے ایک ایک روئیں سے ایک ایک نور کا تار بندھا ہوا ہے۔ یہ تمام بندھے ہوئے تار بہت دور دور جا رہے ہیں۔ ہر تار کے ساتھ ایک ایک نظامِ شمسی بندھا ہوا ہے۔ اس لمحے ساری کائنات کا دائرہ میری نظر میں آگیا۔

دیکھا کہ ساری کائنات حضور پاک ﷺ کے بالوں اور روئیں روئیں سے بندھی ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''دیکھا تم نے ساری کائنات ان تاروں کے ذریعے روئیں روئیں سے بندھی ہوئی ہے۔ نور کا ہر تار ہمارے تفکر کا تار ہے۔ ہر نظامِ شمسی کے اندر ایک تفکر کی روشنی ہے۔ ہر تفکر کی روشنی دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ صفات کی روشنی ہے۔ ہر تفکر ایک مکمل نظام ہے۔ ہر نظامِ شمسی کو اس تفکر سے روشنی ملتی ہے۔ ہر تفکر مختلف ہونے کی وجہ سے ہر نظامِ شمسی کے اندر اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کام کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نظامِ شمسی کے اندر مخلوق کے جسم مختلف ہیں۔ کہیں مٹی کی طرح، کہیں شیشے کی طرح، کہیں روشنی اور کہیں پتھر کی طرح۔ غرض کہ تفکر کے اندر کی روشنیاں پورے نظام میں منتقل ہوتی ہیں۔ صفات مختلف ہیں۔ مگر ذات ایک ہی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو ہماری ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کا صفاتی مظہر ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ کی فرمانبرداری رسول کی فرمانبرداری ہے اور رسول کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے۔ ذات کا شعور وحدانیت کا شعور ہے اور یہ شعور ہر تفکر کے اندر کام کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر تفکر کا تار ذات سے وابستہ ہے۔ جب مخلوق اپنی حاجت کے لیے ذاتِ خداوندی کی طرف رجوع کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربانیت حرکت میں آجاتی ہے۔ ہماری ذات اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربانیت کا مظہر ہے اور مخلوق کی حاجتیں ہمارے ذریعے سے پوری ہوتی ہیں۔'' (قارئینِ کرام! یہاں آپ اس حدیثِ نبوی ﷺ پر تفکر کریں ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ'' یعنی اللہ عطا کرنے والے ہیں اور میں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو مخلوق میں اللہ کے حکم سے تقسیم کرنے والا ہوں۔)

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ یعنی ہم نے آدمؑ کو تمام اسمائے الٰہیہ کے علوم سکھا دیئے۔ اس قانون کے تحت ذات کا تفکر مخلوق کے اندر کام کرتا ہے تو مخلوق کو علم الاسماء سکھانے کے لیے ذات کا تفکر بشر کا لباس پہن کر ان کے درمیان آجاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو تمہاری طرح کھاتا ہے، پیتا ہے، تمہاری زبان بولتا ہے اور سب کام تمہاری ہی طرح کرتا ہے۔ تمہاری ہی طرح اس کی صورت ہے تاکہ مخلوق اسے اپنے تفکر سے قریب جان سکے اور سمجھ سکے۔ یہ سب کام تفکر کے آٹو میٹک نظام کے ذریعے سے عمل میں آتے ہیں۔''

میں نے کہا ''حضور ﷺ اگر ہر تفکر ایک آٹو میٹک نظام ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی خبر آپ ﷺ کو نہیں ہو سکتی کیونکہ سب کام تو خود بخود مشین کی طرح عمل میں آ رہے ہیں۔''

اس لمحے حضور پاک ﷺ نے میرے بازو کا ہلکے سے ایک رواں کھینچا۔ میرے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی۔

حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

میں نے کہا۔ ''حضور ﷺ درد ہوا۔''

فرمایا۔ ''کہاں ہوا؟''

میں نے کہا (روئیں کی طرف اشارہ کر کے) ''یہاں ہوا اور یہ درد سارے جسم میں پھیل گیا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''ہمارے جسم کی طرف دیکھو۔ ہر تفکر کا تار ہمارے روئیں سے بندھا ہے۔ جب ان تاروں میں حرکت ہو گی تو ہر روئیں میں ہو گی یا نہیں۔'' میں نے کہا ''جی ہاں حضور ﷺ! جب ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ تکلیف سارا جسم محسوس کرتا ہے اور پھر یہ درد سارے بدن میں سرائیت کر جاتا ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا ''جیسے ایک روئیں کے درد کا ادراک سارے جسم کو ہو گیا اسی طرح ہمیں بھی کائنات کی ہر ہر حرکت کا علم رہتا ہے اور ہر حرکت کا ادراک ہماری پوری ذات کو ہوتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے روئیں کی طرح ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے انسانوں کو ہمارا ادب اور تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے اور امر و نواہی کے اصول بتائے ہیں۔''

یہ سن کر میں نے بے ساختہ نہایت ہی محبت کے ساتھ حضور پاک ﷺ کی قدم بوسی کے لئے اپنا سر جھکا دیا۔

کلمہ طیّبہ

ہمارے یہاں بچہ جیسے ہی بولنا شروع کرتا ہے تو عام طور پر اُسے کلمہ سکھایا جاتا ہے اور جب یہی بچہ اپنی دنیاوی زندگی کے سفر کو طے کر کے اگلے سفر کی تیاری کے لئے موت کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو پھر اُسے کلمہ یاد دلایا جاتا ہے اور کلمہ پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ گویا دُنیاوی شعور کے آغاز سے انجام تک کلمے کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور مرتے دم تک یہی کوشش رہتی ہے کہ آدمی اس بنیاد پر قائم رہے۔

ایمان اور ایقان کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلمے کی اہمیت کو اس کی حکمتوں کے ساتھ سمجھا جائے تاکہ جس شعور کا آغاز اس دنیا سے ہوا ہے، اس شعور کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو جائیں کہ وہ شعور زمین سے آسمان تک اور جسم سے روح تک زندگی کے ہر سفر میں اپنے خالق کو پہچان لے۔

روحانی بزرگوں کے تذکروں میں کہیں کہیں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب وہ بزرگ کلمے کا پہلا حرف ''لا'' زبان سے ادا کرتے تھے تو دیکھنے والے کی نگاہ سے دنیا کی ہر شے پوشیدہ ہو جاتی اور دماغ میں آنے والی تمام اطلاعات کا رابطہ ٹوٹ جاتا، زندگی کی حرکت موت کے سکوت میں بدل جاتی۔

جب وہ ''الااللہ'' کہتے تو شعور سے زندگی کا رابطہ بحال ہو جاتا اور عدم کے اندھیرے میں چھپنے والی کائنات پھر سے ظہور کے پردے پر موجود ہو جاتی۔

سچ تو یہ ہے کہ ہر ذی روح عدم کی دہلیز کو پار کر کے ظہور کے پردے پر وجودی حیثیت سے نمودار ہوا ہے!

''لا'' کن سے پہلے اللہ کی معرفت ہے اور ''الااللہ'' کن کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ لا اور الااللہ کے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ عدم کی حقیقتوں کے اسرار و رموز کے امین ہیں۔ اپنے محبوب ﷺ کے آئینے میں حق نے جو رونمائی کی ہے، وہ اللہ کے محبوب ﷺ کی کائنات ہے۔ حقیقتِ محمدی ﷺ کا آئینہ ازل سے ابد تک اپنی کائنات کی عکاسی کر رہا ہے۔

لااور الااللہ کے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے تو کائنات عدم کے پردے سے ظہور میں نہ آتی۔ سیاہ بادل کے پردے سے بجلی کی چمک باہر نہ نکلتی تو بجلی کو کون جانتا کہ سیاہ بادل اپنے پردے میں بجلیوں کے کیسے کیسے خزانے چھپائے ہوئے ہے۔

لا کے پردے میں چھپے ہوئے الااللہ کے خزانے کا جمال کائنات کی روحِ اعظم ہے۔ اس روحِ اعظم کے ادراک کے پھیلاؤ کا ہر دائرہ ایک ایک پیغمبر علیہ السلام کا عالم ہے۔

روحِ اعظم رحمت للعالمین ﷺ ہیں!

اللہ تک پہنچنے کے بے شمار راستے ہیں۔ ہر راستے پر ایک پیغمبر ایستادہ ہیں۔ راستہ اللہ کی فکر کا نور ہے۔ اس نور کے تجسس کی صورت پیغمبر ہے۔ جو مسافر بن کر نور کی حقیقتوں کو نور کے پردوں میں کھوجتے رہتے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُن سے روشنی حاصل کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبران علیہم السلام کو بشری شعور عطا فرمایا ہے۔ جس طبعی شعور کے ساتھ تمام پیغمبران علیہم السلام کی تخلیق کی گئی ہے وہی طبعی شعور بنی نوعِ انسانی کو بشری شعور کی جانب رہنمائی کرنے کا سبب ہے۔ اس طرح تمام پیغمبران علیہم السلام بنی نوعِ انسانی کے اندر بشری تقاضوں کی فیڈنگ کرتے ہیں۔

انسانی عقل و شعور کا بنیادی تقاضہ علم ہے۔ اللہ کے نائب پیغمبران علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ علوم کے خزانے اور دفتر ہیں اور اللہ پاک کی اجازت سے انسانی عقل و شعور میں اپنے افکار کی روشنیاں انسپائر کرتے ہیں تاکہ بشری عقل و شعور اپنے روحانی تقاضوں سے آشنا ہو کر اُس روحِ اعظم کے ساتھ وابستہ ہو جائے جو تمام ارواح کو اپنے خالق اور اپنے رب سے متعارف کرانے کا وسیلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کلمہ طیبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

ترجمہ: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثل بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ، ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے۔ جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور زمین آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت۔ اپنے رب کے حکم سے اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے۔ تاکہ وہ خوب ذہن نشین کرلیں۔ (سورۂ ابراہیم ۲۴۔۲۵)

کلمہ کی مزید تعریف درج ذیل آیات میں بیان کی گئی ہے۔ ان تمام آیات کی روشنی میں کلمہ کی حقیقت اور حکمتوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

ترجمہ: ''جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک کلمہ منہ کی اپنے پاس سے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔'' (سورۂ آل عمران ۴۵۔۴۶)

ترجمہ: ''اے اہلِ کتاب نہ غلو کرو اپنے دین سے۔ اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات۔ بے شک مسیح عیسیٰ پسرِ مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ۔ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف۔ اور ایک روح اس کی طرف سے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔'' (سورۂ النساء ۱۷۱)

ترجمہ: ''جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر۔ جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے۔ باتیں کرتا تھا تُو لوگوں سے پنگھوڑے میں اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تُو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی صورت میرے اذن سے۔ پھر پھونک مارتا تھا اُس میں تو وہ بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور تُو تندرست کردیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تُو زندہ کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے۔'' (سورۂ مائدہ۔ ۱۱۰)

مندرجہ بالا پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی تعریف ایک عمدہ مثال کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔اس مثال میں کلمہ طیبہ کو ایک پاکیزہ درخت کہا گیا ہے۔درخت کی جڑیں،اُس کا تنا،اُس کی شاخیں،اُس کے پتے، پھول پھل... سب درخت کے اعضاء ہیں۔جب الگ الگ جُز کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہر جز اپنی شناخت کے لئے الگ الگ نام سے پکارا جاتا ہے۔مگر جب کل کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ''درخت''یعنی ایک نام سے پکارا جاتا ہے۔ایک نام اپنے اندر پوشیدہ تمام ناموں کا احاطہ کرتا ہے۔

یہ پاکیزہ درخت جس کے تمام اعضاء نہایت ہی مضبوط و توانا ہیں اور اس کا پھیلاؤ زمین سے آسمان تک ہے۔اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم ہے کہ وہ مسلسل اور مستقل اپنا پھل ہر وقت دیتا رہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھا رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا رزق اس کی مخلوق تک پہنچتا رہے۔رزق کی تقسیم کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا نظام ہے۔جو پردۂ وجود پر آنے والی تمام مخلوق کو زندگی کی قوت بخشنے والا ہے۔مخلوقِ خدا کی زندگی کی تمام قوتوں اور تقاضوں کو قائم اور جاری و ساری رکھنے کا نام حیات ہے اور اُس کا اسمِ الٰہی ''رب''ہے۔جو رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں کلمہ طیبہ کو پاکیزہ درخت کی مثال دے کر یہ فرما رہے ہیں کہ کلمہ طیبہ وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ربوبیت کے نظام سے ہے،وہ رب کی اجازت سے اپنے رب کے عطا کردہ وسائل کی تقسیم کا وسیلہ ہے اور ربوبیت کے نظام کا ایک نہایت ہی اہم رکن ہے۔اہم رکن ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔جو رب نے اس پر ڈالی ہیں۔اس ذمہ داری کو اپنے رب کے ارادے و منشاء کے مطابق احسن طریقے سے سنبھالنے کے لئے اسے رب کی جانب سے تحفظ حاصل ہے تاکہ وہ اپنے کاموں کو جب تک اللہ چاہتا ہے مسلسل اور مستقل طور پر ادا کرتا رہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ زمین سے آسمان تک پھیلے ہوئے اس پاکیزہ درخت کی اصل کیا ہے۔درخت کی اصل اُس کا بیج ہے۔بیج کے بغیر درخت کا وجود ناقابلِ تذکرہ ہے۔گویا سارا درخت خواہ اُس کا پھیلاؤ آسمان تک ہی کیوں نہ ہو،اس کے ایک بیج میں بند ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور اپنی عقل و شعور میں ان مثالوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اس طرح لوگوں کے عقل و شعور اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جائیں گے۔ یوں وہ جہالت کے اندھیروں میں بھٹک کر اپنے اوپر ظلم کرنے سے بچ جائیں گے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کو کلمہ منہ کی بشارت دیتے ہیں کہ ہم یہ نعمت تمہیں خاص اپنے پاس سے عطا کرتے ہیں۔ حضرت مریمؑ کا ذکر بائبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت حضرت زکریا علیہ السلام نے کی اور آپؑ نے دنیا سے دور رہ کر ہیکلِ سلیمانی میں بچپن سے قیام کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اپنے اوپر فرض کر لی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی روحانی تربیت نے آپؑ کی ذات کو اس قدر پاکیزہ بنا دیا کہ جس کی شہادت خود اللہ پاک اپنے کلام میں دیتا ہے اور آپؑ کو کلمہ منہ عطا فرمانے کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔

پاکیزہ درخت کی مثال سے جب ہم حضرت مریمؑ کے کردار پر غور کرتے ہیں تو یہ بات عقل میں آتی ہے کہ بیج بونے کے لئے کسان زرخیز زمین کا انتخاب کرتا ہے تاکہ بیج ضائع نہ ہو جائے اور زرخیز زمین سے کھیتی بھی شاداب نکلے۔ پس حضرت مریمؑ کا انتخاب اس زرخیز زمین کی طرح ہے۔ جسے کسان اپنی کھیتی کے لئے چن لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مریمؑ کی پاکیزہ ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انعام سے مشرف کیا۔ وہ خصوصی انعام بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور خالقیت اس کا ذاتی وصف ہے۔ اس کی خالقیت اسباب و وسائل کی پابند نہیں ہے۔ کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے جن اسمائے الٰہیہ کا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کے علوم آدم کو عطا فرما دیئے۔ کائنات کی تخلیق میں سب سے اہم رُوحِ آدم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اسمائے الٰہیہ کے علوم ادا کر کے اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا تاکہ وہ روحانی حواس کے ساتھ ساتھ اپنے شعوری ہوش و حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علوم کو سمجھ کر اللہ کے احکامات پر عمل کرے، کیونکہ امرِ کن کے بعد کا تمام مظاہرہ امرِ ربی کی تحریکات ہیں۔

امرِ ربی روح ہے اور روح کا طبعی شعور آدم یا انسان ہے جو اللہ کا نائب اور خلیفہ بن کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے سے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔اس دنیا میں اللہ کے علوم کا مظاہرہ آدم اپنی ظاہری آنکھ کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور فرداً فرداً ہر شخص اپنے عقل و شعور کے ساتھ اُسے سمجھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ حضرت مریمؑ کو کلمہ منہ کی بشارت خالق کا وہ تخلیقی امر ہے جس امر کے ساتھ اس نے آدم کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر شئے کو دو رخوں میں بنایا ہے۔ آدم نوعِ انسانی کا فارمولا ہے۔ جس کے اندر انسان کے دونوں رُخوں کی روشنیاں موجود ہیں۔ جب فارمولے کا عملی استعمال کیا جاتا ہے تو تخلیق کے دونوں رخ سامنے آجاتے ہیں۔اب حضرت مریمؑ کو کلمہ منہ کی بشارت دینا رُوح کے تخلیقی دائرے کا شعوری دائرے میں مظاہرہ ہے تاکہ انسان کی دنیاوی عقل و شعور بھی ان علوم سے باریاب ہو اور روح کے اندر موجود تخلیقی وصف کو اللہ تعالیٰ کی اجازت و رضا کے ساتھ بروئے کار لائے اور روحانی صلاحیتوں کا عملی مظاہرہ دیکھ کر شہادت اور عین الیقین کا درجہ حاصل ہو۔

دراصل صلاحیت علم ہے اور عمل اس صلاحیت کا استعمال ہے۔ عمل علم کا پھیلاؤ ہے۔ علم بیج ہے اور عمل درخت ہے۔بیج جب اپنے اندر پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے تمام پہلو درخت کی صورت میں ڈھل کر نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔بیج درخت کی روح ہے اور درخت اس روح کا ظاہری خول یا جسم ہے۔اس خول میں بیج اپنی روشنیاں پھیلا کر اس خول کے اندر اپنی روشنیوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بیج کا مشاہدہ روح کا ادراک ہے۔روح امرِ ربی ہے اور اللہ کا امر اس کا حکمِ کن ہے جو اللہ کا ارادہ ہے۔

اللہ کا ارادہ کسی اسباب و وسائل اور ٹائم و اسپیس کا پابند نہیں ہے۔اللہ کے امرِ کن سے ایک لمحے میں کائنات کی تخلیق ہو چکی ہے۔ کلمہ منہ، اللہ تعالیٰ کے امرِ کن کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ ہے جو مزید تقسیم نہیں ہو سکتا۔یہی جُزلایتجزیٰ کائنات کے تخلیقی فارمولے ہیں جن کا خالق اللہ

وحدہٗ لاشریک ہے۔ کائنات کی روحِ اعظم کا ادراک فارمولوں کے علوم کا جاننا ہے۔ کلمہ طیبہ امرِ کن کا ایک ایسا یونٹ ہے جو جُزلایتجزیٰ ہے۔ روحِ اعظم کا ایک ادراک ہے۔

حضرت مریمؑ کو دنیا کی مصروفیات سے الگ رکھ کر اور ان کی تعلیم و تربیت کو ایک پیغمبر کے سپرد کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی روح کے اندر موجود اس امرِ کن کے جزلایتجزیٰ کے ادراک کو شعوری حواس کے دائرے میں پھیلا دیا، تاکہ انہیں آسمان سے زمین تک، روح سے جسم تک اور ادراک سے فہم تک یقینِ کامل کا درجہ حاصل ہو۔

جب آدمی کا یقین اپنے تمام مراحل طے کر لیتا ہے تو اُسے بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

بقا!... پھیلے ہوئے درخت کا اپنے بیج میں سما جانا ہے۔ جزوِ لایتجزیٰ کا اپنے کل کے ساتھ ابدی رابطہ ہے۔ محدودیت کا لامحدودیت میں داخل ہونا ہے۔ بندے کا خالقِ حقیقی سے ابدی قرب حاصل کرنا ہے۔ یہی قائم الصلوٰۃ کا وہ درجہ ہے جس میں اللہ کی فکر کا نور روح کا ادراک بن کر کام کر رہا ہے۔ اللہ کی فکر کا نور جب روح اور جسم دونوں کا احاطہ کر لیتا ہے اور روح کے ادراک سے لے کر جسمانی حواس و شعور نور کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو اللہ کے حکم کی تکمیل ہو جاتی ہے اور بندے کے اندر امرِ ربی کی تحریکات جاری و ساری ہو جاتی ہیں۔

کن اللہ کا حکم ہے جس کا اطلاق لا پر ہے۔ لا سے مراد لامحدودیت کا عالم ہے۔ جس کے لیے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ''وہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہے۔''

اللہ اپنی ذات میں علیم ہے۔ لامحدودیت میں پھیلے ہوئے علم کو جب اللہ نے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو کن سے فیکون ہو گیا۔ کن کا اطلاق عدم کے پردے میں چھپی ہوئی کائنات پر ہے۔ جس سے سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی واقف نہیں۔ فیکون لا یا عدم کے پردے سے باہر کائنات کا

مظاہرہ ہے۔ جس میں افرادِ کائنات کو اپنی وجودی حیثیت سے باخبری حاصل ہوئی۔ کن کہنے سے سب سے پہلے تمام روحیں پیدا ہوئیں۔ ہر روح کے اندر اللہ کا ارادہ اس کی مخصوص فکر کے ساتھ کام کر رہا ہے۔

ارواح!... کائنات کی مشین کے کل پرزے ہیں۔ ہر کل پرزے کا اپنا ایک مخصوص کام ہے۔ جس کی ادائیگی کے لئے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس مخصوص کام کے حوالے سے اجتماعی نام کے علاوہ فرد کا نام بھی ضروری ہے تاکہ اس کے کام کو چیک کیا جاسکے۔

سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت میں اسی بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ اے مریم! اللہ کی جانب سے تجھے کلمہ منہ کی بشارت دی جاتی ہے۔ پھر اس کلمہ منہ کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم بتایا جاتا ہے۔ کلمہ منہ، امرِ کن کی اجتماعی فکر کا نام ہے۔ مگر جب فکر کی روشنی حضرت مریمؑ کے نقطے پر مرکوز ہوگئی تو اس نقطے میں جذب ہونے والی فکر کی روشنی کا انفرادی نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگیا اور اس مخصوص نام کے اندر اللہ تعالیٰ کے نور کی صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں کیا کیا اوصاف ہیں۔

سورۂ مائدہ کی آیت میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اے عیسیٰ بن مریم! میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر اپنا انعام کیا کہ میں نے روح القدس سے تمہاری مدد فرمائی۔ روح القدس روحِ اعظم ہے۔ جو تجلی ذات کا شعور ہے۔ یہ پوری کائنات کی روحِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ادراک ہے۔ یہ کائنات کا لاشعور ہے۔ روح القدس سے مراد لاشعور سے شعور کا رابطہ قائم کرنا ہے تاکہ اللہ کے امر و احکامات شعور کو موصول ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات روحِ اعظم کے ذریعے روح کو ملتے ہیں اور روحِ اعظم اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کا روحانی ادراک ہے۔ جو کن کے بعد سامنے آنے والے مظاہرات کا مشاہداتی ادراک ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے کا رابطہ اس روحِ اعظم سے ہے جس کے ذریعے اُسے اللہ پاک کے احکامات وصول ہو رہے ہیں۔ مگر عقل و شعور اس سے بے خبر ہے۔ جب عقل و شعور اس حقیقت سے باخبر ہو جاتی ہے اور امرِ ربی کی

تحریکات اس کے اندر جاری و ساری ہو جاتی ہیں تو وہ اللہ کے ارادے سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنا ارادہ اللہ کے ارادے میں شامل کر دیتا ہے۔ اس طرح اللہ کے ارادے سے فرد کے ارادے کو مستقل اور مسلسل سیرابی ہوتی رہتی ہے۔

اللہ نور ہے۔ اللہ کے نور کی سیرابی کلمہ منہ کو بھی نور کا ایک ایسا ستارہ بنا دیتی ہے جس کی روشنیاں ساری کائنات میں گردش کرتی ہیں۔ نزولِ عیسیٰ حضرت عیسیٰؑ کے انوار کا نزول ہے جس کے ذریعے نسلِ انسانی کو روح پھونکنے کے علوم تقسیم کئے جا رہے ہیں۔

تمام پیغمبران علیہم السلام اللہ پاک کے نہایت ہی مقرب و معزز بندے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اپنے ذاتی ارادے و عقل حواس کے ساتھ اپنے رب کے احکامات پر مستقل اور مسلسل کام کر رہے ہیں۔ ان کی ذاتِ اقدس شجرِ طیبہ کی طرح ہے۔ جس کے پھول سے زمین و آسمان کی تمام مخلوق رزق حاصل کر رہی ہے۔

جب پیغمبر کی فکر کا نور اللہ کے کسی بندے میں جذب ہو جاتا ہے تو وہ بھی کلمہ طیبہ کی ابدی زندگی سے روشناس ہو جاتا ہے۔

نُور کی بوندیں

آدھی رات کو سونے سے اچانک آنکھ کھل گئی۔ذہن میں مرشد کریم کی آواز گونجی۔''مرتبۂ احسان یہ ہے کہ یہ باتیں تیرے یقین میں ہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔یقین کا یہی نور تیرے قلب کی نظر ہے جس سے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔''مرشد کی آواز کی لہریں میرے سارے جسم میں سرایت کرتی محسوس ہوئیں۔ایک لمحے کو سارا بدن جھنجھلا اُٹھا جیسے تیز کرنٹ جسم میں دوڑ گیا ہو،اور پھر یہ سارا کرنٹ قلب کے اندر سمٹ آیا۔میں نے محسوس کیا جیسے میں مر چکی ہوں۔

میرا جسم بے حس و حرکت ہے۔اس مردہ جسم سے روشنی کا ایک لطیف جسم باہر نکلا اور اوپر اُٹھتا ہوا آہستہ آہستہ اپنے جسم سے دور ہوتا چلا گیا۔ مادّی جسم نظر سے اوجھل ہو گیا اور میرے سارے حواس اس لطیف جسم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔مجھے لگا کہ میرے اندر اللہ کی نظر کام کر رہی ہے۔میں چاند ستاروں کے جھرمٹ میں گزرنے لگی،بکھرے ہوئے ستاروں کے جھرمٹ میں کہکشانوں کے راستے دکھائی دیتے۔ان راستوں پر جگہ جگہ نور کی شعاعوں کے پُل بنے ہوئے دکھائی دیتے۔ان راستوں پر جگہ جگہ نور کی شعاعوں کے پُل بنے ہوئے تھے۔

خوبصورت پُل جن کے اطراف میں رنگ برنگے ستارے چراغاں کا سماں پیدا کر رہے تھے۔جگہ جگہ سازوں کی آوازیں فضا کے سُریلے تاروں سے نکلتی سنائی دیتیں۔اس سحر سحر انگیز فضا میں میں آزاد پنچھی کی مانند اڑتی چلی گئی۔یہاں مجھے کون روکنے والا تھا۔یہ سارا جہان مجھے اپنا شہر لگا جس کے گلی کوچے اس کے مکین سے مانوس ہیں۔جہاں بے وقت گھومتے پھرتے ذرا بھی خوف نہیں آتا۔میری نظر ان مناظر کی سحر انگیزیوں سے لطف اندوز ہونے لگی۔دل سے آواز نکلی اے نظر تو نہ ہوتی تو ان نظاروں کو کون دیکھتا اور دل تشکر کے نور سے لبریز ہو گیا۔

یہ نور بہہ کر آنکھ میں آ گیا۔نظر کی روشنی دور بہت دور جا پہنچی۔نظر کے ساتھ ساتھ میرا جسم بھی اس جگہ موجود ہو گیا۔یہاں بس نور ہی نور تھا۔نظر اس نور میں ہر طرف دیکھنے لگی۔اس نور میں جگہ جگہ رنگین ستارے جگمگ کر رہے تھے۔ہر ستارے کی شکل حرف ''محمد''کی تھی۔

گویا نور کے ورق پر رنگین قلم سے ''محمد'' لکھا ہے۔ ہر ستارے سے اس رنگ کی روشنی کا ایک دھارا بہتا دکھائی دیا۔ رنگ برنگی تیز رفتار دھاروں سے نور کی بوندیں دور دور فضا میں بکھرنے لگیں۔

ہر بوند نظامِ شمسی کے چاند سورج ستارے بن گئے۔ میرے لبوں پر درود شریف جاری ہو گیا۔ دل کہنے لگا۔ یارسول اللہ میری جاں آپ پر قربان، آپ باعثِ کائنات ہیں۔ زبان پر درود شریف جاری تھا اور نظر حقیقتِ محمدی کے بہتے دھاروں سے نور سمیٹ رہی تھی۔ دل مرتبۂ احسان کی گہرائیوں میں غوطہ زن تھا۔ بے خودی جب حد سے گزر جاتی ہے تو آدمی اپنی ذات سے گم ہو جاتا ہے۔ میرا جسمِ لطیف شمع کی مانند پگھلنے لگا اور حواس لطیف سے لطیف تر ہو گئے۔

حقیقتِ محمدی کے تیز رفتار دھارے مجھے اپنی طرف کھینچنے لگے۔ دھاروں کی کشش دل کا تقاضہ بن گئی۔ بے خودی خودی بن گئی اور دل کا تقاضہ روح کے روئیں روئیں میں سما گیا۔ کسی طرح ان بہتے دھاروں میں ان آبشاروں میں کُود جاؤں۔ روح کے روئیں روئیں سے کھینچ کر یہ تقاضہ نظر میں سمٹ آیا۔ نظر ایک آبشار پر جم کر رہ گئی۔ دل کا تقاضہ خود آبشار بن کر نظر سے اُبل پڑا۔ روح اس دھارے میں ایک تنکے کی مانند بہنے لگی۔ اس کا نرم و نازک بدن خود اپنے ہی تقاضے کی تند و تیز دھارا میں جا پڑا جس کی بپھری ہوئی موجیں ایک آن میں آبشار سے ملا چاہتی تھیں۔

روح کے حواس دیوانگیٔ دل کی بے قراری پر دم بخود رہ گئے۔ آبشار سے فاصلہ گھٹنے لگا۔ اس سے گھبرا کے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اسی لمحے اس کا کومل بدن آبشار کی مضبوط دھارا سے ٹکرا گیا۔ بے اختیار منہ سے نکلا ''یارسول اللہ''۔ اور آبشار کا نور رحمتِ خداوندی کی آغوش بن گئی۔ آغوشِ رحمت کی حرارت پا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ نظر اوپر گئی۔ حدِ نگاہ پر تجلی حرف ''محمد'' کی صورت میں دکھائی دی۔ اسے لگا کہ اس کا رب اسے اپنی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

اس کی نظر کا پیار تجلی کے حرف ''محمد'' سے آبشار کی مانند ابل پڑا۔ اس نے دیکھا وہ رحمت کے اس آبشار کے اندر ہے۔ مگر یہ کیا اب اس دھارے کی تیزی اسے پیار بھری آغوش کی طرح محسوس ہوئی۔ وہ اس دھارے میں عشق کی لہروں پر تیرتی رہی۔ ہر لہر اس کی روح کی

لطافتوں سے کھیلتی رہی۔ روح کا ہر تقاضہ عشقِ حقیقی کی لہروں کے زیر و بم پر مچلنے لگا۔ ہر لہر اُٹھ اُٹھ کر کہتی یا عبدی۔ ان لہروں سے نکلتے انوار جمالِ محمدی کے جلوے بن کر یا ربّی کہہ کر بکھر جاتے۔

روح کی نظر حقیقتِ محمدی کی گہرائی میں ڈوب گئی۔ حدِ نگاہ پر تجلی کے حرف ''محمد'' کی گہرائی میں روح نے دیکھا۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ ذہن میں سوائے لا کے کچھ نہ تھا۔ تجلی کی گہرائی میں ڈوب کر روح کے حواس گم ہو چکے تھے۔ روح کے ڈوبتے حواس کے اندھیروں میں لا کی تکرار بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ لا کی تجلی ایک زوردار گرج کے ساتھ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس کے ڈوبتے حواس واپس لوٹ آئے۔ اس کی نظروں نے تجلی کو دیکھ لیا اور زبان بے اختیار پکار اُٹھی الااللہ۔

الااللہ کی گونج حرف ''محمد'' سے باہر آگئی۔ اور یہ گونج آبشار کی مدھر راگنی بن کر کائنات کی راگنیاں بن گئیں۔ آبشار کی بوندیں اُبھر اُبھر کر اس راگنی کو دور دور تک پھیلاتی رہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ حقیقتِ محمدی کا مظہر بن گیا۔ ہر ذرّے میں آبشار کا نور نظر بن کر اپنے رب کو دیکھنے لگا۔ آبشار کی ہر بوند نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

روح نے دُور حدِ نگاہ پر تجلی کو دیکھا۔ اس کی نظر تجلی سے بہتی دھارا سے گزرنے لگی۔ اسے یوں لگا اس کا رب اسے بہت قریب سے دیکھ رہا ہے۔ اس کا بدن محبوب کی نظروں کی رت سے پگھلنے لگا۔ اس کے روئیں روئیں میں حقیقتِ محمدی کا ادراک جاگ اُٹھا۔ الااللہ کے نغمے اس کے لبوں پر آگئے۔ تجلی کی بہتی دھارا نے پیار سے اس کے ریشمی بالوں کو چھوا اور اپنی رحمت کی بانہوں میں جکڑ کر کہنے لگی۔ اے روح تم انظرنا کا جمال ہو۔ روح کی نظروں نے تجلی کے نور میں اپنا جمال دیکھ لیا۔ اس کے حسن کی ہر ادا پکار اُٹھی۔ تیری نظرِ کرم تیرا احسان ہے اور...

روح نے حقیقتِ محمدی کے فرش پر مرتبۂ احسان کو پالیا...

ختم شد